ارمغانِ شیدا

مرزا کمال الدین شیدا

ارمغانِ شیدا

مرزا کمال الدین شیدا

ارمغانِ شیدا

ARMUGAN-E-SHAIDA

مرزا کمال الدّین شیدا

MIRZA KAMALUDDIN SHAIDA

گلشن پبلیشرز سرینگر کشمیر

GULSHAN PUBLISHERS Sgr. (Kmr.)

نام : ارمغانِ شیدا

مصنف : مرزا کمال الدین شیدا

پبلشر : گلشن پبلیشرز، گاؤکدل سرینگر

تعداد اشاعت : یک ہزار

طباعت : نعمانی آفسٹ پریس دہلی

کتابت : محمد سلیم نصیر انزیمیر خانیار

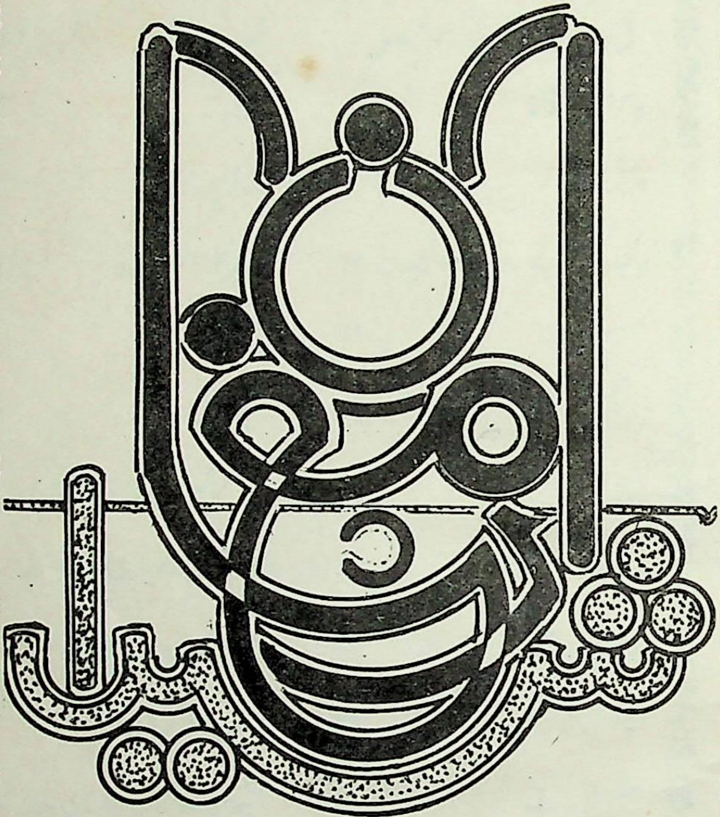
پہلا سن طباعت : سنہ ۱۹۸۳ء

زیر اہتمام معراج الدین

تقسیم کار

شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجران کتب گاؤکدل سرینگر





از مرزا کمال الدین شیدا

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیرایۂ آغاز

مجھے زمانۂ طالبِ علمی سے ہی گھر کے ادبی ماحول نے شعر و ادب کی طرف مائل کیا۔ میرے محترم نانا جناب مرزا سعدالدین سعدؔ مرحوم اپنے عہد کے ممتاز ترقی پسند فارسی گو شعراء میں شمار ہونے کے علاوہ اردو زبان میں بھی دادِ سخن سرائی دیتے رہے۔ آپ کے فکر و نظر میں ہمعصر شعراء میں شمس العلماء جناب مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حالی مرحوم کا اثر پایا جاتا ہے۔

مرزا سعدؔ نے کشمیری مسلمانوں کی پسماندگی اور ذہنی انحطاط سے متاثر ہو کر "تحفۂ سعد" مطبوعہ ۱۳۲۱ھ میں اپنی یادگار نظم "نوحۂ

پُر تاثیر کشمیر" میں دردانگیز لہجہ میں اسکا تاثر بیان کیا ہے۔ آپکا
کلام اخبار "چودھویں صدی" میں بھی ۱۸۹۵ء میں شائع ہوتا رہا۔
مرزا سعد مرحوم کے شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی سے
گہرے مراسم تھے۔ سر شیخ عبدالقادر بھی آپکے پرخلوص دوست
تھے۔ بلکہ رسالۂ مخزن میں بھی آپ کا کلام چھپتا رہا۔ جناب
چودھری خوشی محمد ناظر مرحوم جو اُس زمانہ میں ریاست جموں و
کشمیر کی ملازمت میں منسلک ہو چکے تھے آپکے ادبی رفیق کار
رہے ہیں۔ نظم "سعد و ناظر" مطبوعہ رسالۂ مخزن لاہور ۱۹۰۴ء
میں دونوں بزرگوں نے اپنے منظوم خطوط میں ضمناً بہار گل
کے دلکش سماں کا دلاویز نقشہ کھینچا ہے۔ سعد اپنی نظم
"ہدیۂ سعدیہ بخدمتِ ناظر" میں لکھتے ہیں:۔

ناظر مجھے شعر سے غرض کیا — اک جذبۂ شوق کا ہے اظہار
کچھ آپ کہیں تو میں سنونگا — ہوں آپ کی نظم کا خریدار
اس فن کا نہیں ہے مدعی سعد — ہیں اہل کمال اس کے حقدار
لکھی ہے یہ نظم ارتجالاً — دل پر تھا میرے ہجوم افکار

جناب ناظر اپنی نظم "پھولوں کا شکریہ" میں فرماتے ہیں:۔

اے میرے مکرم و معظّم — ہم مشرب و ہمسفر و ہمدم

اے گلبنِ گلشنِ معانی ‏ ‏ ‏ اے بلبلِ باغِ خوش بیانی

پہنچے گلدستہ ہائے خوش رنگ ‏ ‏ ‏ غنچہ کی طرح کھلا دلِ تنگ

گلداں ہیں شبیہہ مرغ طیار ‏ ‏ ‏ بلبل گویا گُل بہ منقار

میرے والدِ مکرم مرزا جلال الدین مرحوم جن کا عنفوان شباب میں ہی انتقال ہوگیا فارسی میں شعر کہتے تھے۔ فارسی زبان میں ان کی طبعزاد مثنوی "حسن و گوہر" غیر مطبوعہ ایک عشقیہ داستان انکی ادبی یادگار ہے جو اس عہد کے ادبی تقاضوں کی نشان دہ اور عکاس ہے۔

اس مثنوی کے سراپا معشوق سے دو شعر یہاں پر درج کرتا ہوں۔

بگر دگردنش لولوئے پُر نور ‏ ‏ ‏ گل کافور گرد شمع کافور

تو مالا مال مال ومن بہ پامال ‏ ‏ ‏ منم خالی تنا خالے و خلخال

آپ غزل بھی کہتے تھے۔ اور مرزا تخلص کرتے تھے۔ نعتیہ کلام درد وسوز اور جذبۂ عقیدت سے لبریز ہے۔

مجھے دسویں جماعت سے ہی اردو نظم سے گہری دلچسپی رہی۔ اسٹیٹ ہائی سکول باغ دلاور خان کے اردو مُدرس جناب لطیف داد خان عرشی مرحوم کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر ان کی خاص بزرگانہ توجہ سے مجھے اردو زبان میں لکھنے کی جرأت ہُوئی۔ شفیق استاد کے مفید مشوروں سے بھی مشق سخن میں مدد ملتی رہی۔

سری پرتاب کالج سرینگر میں داخل ہوکر وہاں کے ادبی ماحول نے اور کچھ با مذاق ہمدرسوں کی صحبت اور جناب پروفیسر قاضی محمد اسحٰق کے قرب شفقت اور سرپرستی نے میرے ذوقِ سخن سرائی کو نکھارا۔ مولانا اسحٰق مرحوم عربی اور فارسی کے مستند عالم ہونے کے علاوہ ایک دیدہ ور نقاد بھی تھے۔ آپکا صوفیانہ مشرب اور آپ کی رندانہ وضع آپ کی امتیازی شان کی حامل تھی۔

اسی زمانہ میں خان صاحب منشی سراج الدین احمد میر منشی ریزیڈنسی ریاستِ جموں وکشمیر اور محترم چودھری خوشی محمد صاحب ناظر کی ادبی سرگرمیوں سے سری پرتاپ کالج میں مشاعرے اور دوسری ادبی محفلوں کا اہتمام ہوتا رہا۔ راقم کو بھی کبھی کبھی ان محفلوں میں اپنی تخلیقات پیش کرنیکا شرف حاصل ہوا۔ میں جناب خانصاحب منشی سراج الدین مرحوم کے علاوہ کشمیر کے نامور شاعر خواجہ امیرالدین مرحوم سے بھی جن کو اپنے عہد میں طغرائے "قادر الکلامی" حاصل تھا اصلاح لیتا رہا۔

۱۹۳۱ء میں سرکاری ملازمت میں منسلک ہونے کے

بعد گوناگون مصروفیتوں اور ذمہ داریوں کے باوجود بھی مجھے شعر وسخن سے برابر دلچسپی رہی۔

زمانۂ طالبِ علمی اور اس کے بعد کے کچھ منظومات میری ادبی تخلیقات کا دورِ اول ہیں۔ ان میں قدرتی مناظر، رومانوی محرکات اور دوسرے شاعرانہ حرف وحکایات شامل ہیں۔

۱۹۵۸ء میں ریاست جموں وکشمیر میں کلچرل اکاڈمی قائم ہوتے ہی میرا بحیثیت سیکرٹری اکاڈمی کے ساتھ رابطہ قایم ہوا۔ اس طرح میرے روابط ہمعصر شعرا اور ادیبوں کے ترقی پسند روایات کے ساتھ مستحکم ہو گئے۔

محسنِ اعظمِ کشمیر حضرتِ سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہ قدس سرہٗ کی درگاہ عالیہ سے گہری عقیدت اور خاندانی روحانی رشتہ اور فیض ارادت سے کچھ صوفی منش بزرگوں کیساتھ بھی مجھے شرف مجالست حاصل ہُوا۔ اور میری نظم میں اس کا بھرپور اثر نمایاں ہونے لگا۔ میری نظم "سوز ومنظر" جس کو جناب پروفیسر عبد القادر سروری مرحوم صدر شعبۂ اردو کشمیر یونیورسٹی نے ۱۹۶۷ء میں مرتب کرکے شائع کیا، اس اثر اور جذبہ کی آئینہ دار ہے۔

میری اردو نظموں کا ایک مختصر مجموعہ پروفیسر سروری صاحب مرحوم نے مرتب کیا تھا۔ جس کا ذکر آپ نے "سوز و منظر" کے مقدمہ میں کیا ہے لیکن بدقسمتی سے اُن کے اچانک سانحۂ ارتحال کی وجہ سے یہ طبع نہ ہو سکا۔

اب میں نے اپنے کچھ ادب نواز عزیز دوستوں کی تحریک پر اپنی اردو اور کچھ فارسی منظومات کا یہ مختصر مجموعہ مرتب کر کے چھاپنے کا اہتمام کیا ہے :۔

گرچہ خوردیم نسبتیست بلند
ذرّہ آفتاب تابانیم

مرزا باغ نگین
جولائی ۱۹۸۱ء

مرزا کمال الدّین شیدا

پیش لفظ

جناب مرزا کمال الدین شیدا کشمیر کی اُن مایۂ ناز ہستیوں میں ہیں جن سے ملنا ایک نعمت ہے اور جن کو جاننا ایک دولت۔ آپ اس خطۂ گل بداماں کے ایک ممتاز خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن میں علم وادب، تہذیب و شائستگی اور معرفت و نظر کی دولت عام رہی ہے۔

فارسی کے خوش فکر اور خوش گو شعرا تو صدیوں سے اس وادئ گل میں نغمہ سنجی کرتے آئے ہیں۔ مگر انیسویں صدی کے آخر سے اردو شاعری کے ترانے بھی یہاں گونجنے لگے۔ شیدا صاحب کے تایا مرزا سعد الدین سعد مرحوم نہ صرف اپنے دور کے ممتاز فارسی گو شاعر تھے۔ انہوں نے اردو میں بھی طبع آزمائی

کی ہے اور "تحفۂ سعد" کے علاوہ ان کا کلام "چودھویں صدی" اور "مخزن" میں بھی شائع ہوتا تھا۔ مولانا شبلی سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ اس کے علاوہ شیخ عبدالقادر اور چودھری خوشی محمد سے بھی ان کے روابط تھے۔ مستئ اندیشہ ہائے افلاکی کے علاوہ سعد کے یہاں زمین کے ہنگاموں کو سہل کرنے کی طرف بھی توجہ ہے۔ اور اس جنّتِ ارضی کے مکینوں کی زبوں حالی پر نالہ و فریاد بھی۔

مرزا سعد کو فنون جمیلہ میں فن خوشنویسی سے گہری دلچسپی تھی۔ عنفوان شباب میں آپ کے شیریں قلم سے ذوالحجہ ۱۲۶۶ھ اور ذیقعدہ ۱۲۸۷ھ کے لکھے ہوئے خواجہ نظامی گنجوی کے لیلیٰ مجنوں اور ہفت پیکر کے دو نسخے شیدا صاحب کے پاس موجود ہیں۔ پرانے زمانے میں شریف زادوں کو فنون عالیہ خصوصاً خطاطی کی بھی تربیت دی جاتی تھی۔ مرزا شیدا کو بھی اس فن سے دلچسپی ہے۔ آپ کے پاس اس فنِ شریف کے کچھ نادر نمونے موجود ہیں۔ خاندانی کتب خانہ کے تقریباً سارے قلمی اور مطبوعہ نسخے کتب خانۂ زیارت عالیہ حضرت سلطان العارفین کے لئے چند سال پہلے وقف کر دئے گئے ہیں جو کہ وہاں پر

موجود ہیں۔

شیدا صاحب کے والد مرزا جلال الدین کا عین عنفوان جوانی میں انتقال ہوگیا۔ مگر شاعری سے ان کو بھی شغف تھا اور ایک مثنوی "حسن وگوہر" فارسی زبان میں جو ابھی غیر مطبوعہ ہے ان کی ادبی یادگار ہے۔ غرض شیدا صاحب نے ایک ادبی ماحول میں پرورش پائی۔ بزرگانِ دین سے محبّت بھی انہیں ورثے میں ملی ہے۔ اور حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہ قدس سرہٗ سے گہری عقیدت کے علاوہ کشمیر کے اکابر صوفیہ کے شاندار کارناموں کو نمایاں کرنے اور نئی نسل کو ان کی عظمت سے آگاہ کرنے کا مِشن بھی انہوں نے اپنا لیا ہے۔

منشی سراج الدّین احمد میر منشی ریذیڈنسی کشمیر جو اقبال کے دوستوں میں سے تھے جناب چودھری خوشی محمد ناظر کشمیر کے نامور شاعر خواجہ امیر الدین امیر، جناب خواجہ امین دار اب جنکا کچھ عرصہ ہُوا انتقال ہوا اور جو فارسی کے ایک ممتاز شاعر تھے، خلیفہ عبدالحکیم، اثر لکھنوی، محمد الدین تاثیر، روش صدیقی، اور اس دور کے بیشتر ممتاز شعرا اور ادیبوں سے شیدا صاحب کے گہرے مراسم رہے ہیں۔ سرکاری ملازمت کے باوجود

وہ مُطالعہ اور تصنیف و تالیف میں برابر مصروف رہے اور ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد تو ان کا سارا وقت یا تو کشمیر کے صوفیائے کرام کے کارناموں کو اُجاگر کرنے میں یا تصنیف و تالیف میں گذرتا رہا ہے۔ ریاست کی کلچرل اکاڈمی کے پہلے سیکریٹری بھی رہے ہیں۔ اور اُن کے دور میں اکیڈیمی نے شعر وادب کی بڑی خدمت کی اور ادبی ذوق کو عام کرنے کے لئے گراں قدر کوشش کی۔

مرزا صاحب کو علامہ اقبال سے گہری عقیدت ہے۔ جب جناب شیخ محمد عبداللہ کی توجہ سے کشمیر یونیورسٹی میں اقبال چیئر اور پھر اقبال انسٹی ٹیوٹ قائم ہوئے تو مرزا صاحب نے سلطانُ العارفین اقبال ایوارڈ نام سے طلباء میں اقبالیات کا ذوق عام کرنے کے لئے ایک گرانقدر عطیہ ادارۂ اوقاف اسلامیہ سے دلوایا۔

مرزا صاحب ایک پاکیزہ ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ فارسی اور اردو کے کلاسیکی سرمائے پران کی گہری نظر ہے۔ کشمیر کی تاریخ خصوصاً کشمیر میں مسلمانوں کے مذہبی، علمی، ادبی اور تہذیبی سرمائے کے متعلق معلومات کے سلسلے میں

انہیں ایک چلتی پھرتی اینسائیکلوپیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ مشرقی مزاج کی ایک خصوصیت شاعری سے شغف بھی ہے۔ مرزا صاحب شروع سے لیلائے شعر کی زلف کے اسیر رہے ہیں۔ ان کی شاعری کے تین محور ہیں (۱) فطرت پرستی (۲) زمانہ کی چیرہ دستی کی وجہ سے اس جنت کے باسیوں کی زبوں حالی، مفلسی اور مظلومیت اور (۳) بزرگانِ دین خصوصاً حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہ قدس اللہ سرہٗ سے ان کی والہانہ محبت۔ موجودہ نسل جو تحریک حریت کشمیر کی وجہ سے اور جناب شیخ محمد عبداللہ کی قیادت کے بدولت کشمیر میں ترقی اور خوشحالی کے مناظر دیکھ رہی ہے اُس پستی، افلاس، بیکسی اور بے بسی کا اندازہ شاید پوری طرح نہیں کر سکتی۔ جو ایک عرصۂ دراز تک حکمرانوں کی چیرہ دستی کی وجہ سے کشمیر کی اکثریت کا مقدر رہی۔ اس لئے وہ شعراء لائق تحسین ہیں جنہوں نے اپنے کلام میں اُس زندگی کی اور ان دلدوز مصیبتوں کا اظہار کیا۔ ان تینوں رنگوں کا عکس ان کے منتخب اشعار میں دیکھئے۔ پہلے فطرت نگاری کی گہرائی کا ملاحظہ ہو

بریز آج نرگسِ شہلا کا جام ہے
ساقی کا برگ برگ پہ مرقوم نام ہے

چند نالے اشک کچھ تھوڑی سی پروا نے رکھی ۔۔۔ بارگاہِ قدس میں یہ تحفہ لیجاتی ہے رات

چن کے کچھ موتی میرے اشکِ ندامت سے مدام ۔۔۔ قدسیانِ عرش کو یہ ہار پہناتی ہے رات

آسمانِ عرش سے لاتی ہے رحمت کا پیام

بے بہا اشکوں کا کرتے ہیں فرشتے احترام

شعلہ اک لپٹا ہوا گویا ہے دودِ آہ میں

یا ہے سوزِ معرفت پنہاں دلِ آگاہ میں

یہ سیم قبا وادی ۔۔۔ کشمیر کی شہزادی

یہ برف کی آرائش ۔۔۔ اس میں نہیں آلائش

فطرت کی فسوں کاری ۔۔۔ مہتاب کی ضو باری

ہیں کوہ و دمن سیمیں ۔۔۔ اور باغ و چمن سیمیں

یہ ننھی آب جو اس پُر غمِ عشق ۔۔۔ مگر اظہار سے شرما رہی ہے

نہ جانے اسکو کیا وحشت ہے اتنی ۔۔۔ ہر اک پتھر سے سر ٹکرا رہی ہے

فکرِ فنکار کی ہمرنگ زمینِ گلپوش ۔۔۔ ذہنِ عکاس کی مانند چمن ہے تصویر

پسرِ دہقان کی زبانی یہ فریاد ملاحظہ ہو۔ یہ نظم ۱۹۳۲ء میں لکھی گئی تھی یعنی آج سے پچاس سال پہلے۔

کب تلک حسرت نصیبی بے کسی میرے لئے

وائے ناکامی ہے شامِ مُفلسی میرے لئے

بیکسی کے واسطے میں بیکسی میرے لئے

شکوۂ بیدار ہے کار خسی میرے لئے

زندگی میری بھی ہے کچھ شادکامی کیلئے

یا بنا ہوں آپ لوگوں کی غلامی کیلئے

سب کچھ ہے یہاں لیکن یہ بات بھی چبھتی ہے

بیکاری و غربت ہے کشمیر کے دامن میں

کیا پھونک دیا سوئے چمن بادِ صبا نے ہر پھول کو با دیدۂ نم دیکھ رہا ہوں

فصلِ گل میں جس کی قسمت میں نہیں دو چار پھول

کون ہے وہ ننگِ گلشن تنگ داماں آج بھی

بزرگانِ دین سے عقیدت کا ثبوت وہ اردو نظمیں ہیں جو احساس

منظر، سوزِ منظر اور ماحصلِ منظر کے نام سے سوز و منظر کے باب میں شامل ہیں۔ حضرت بابا پیام الدین ریشی رح کے روضے کے متعلق جو نظم ہے وہ بھی مرزا صاحب کی والہانہ عقیدت کا آئینہ ہے۔ ان نظموں کے یہ اشعار توجہ طلب ہیں۔

دستِ خیبر گیر سے قوت پذیر — وہ چمن نیدر یاش کا شہیر
لرزہ بر اندام باطل دیکھکر — دابِ فقر و تاجِ ذکرِ پُرگہر
خاکِ در ہے کحلِ اربابِ نظر — مہرِ عالمتاب ان سے دیدہ ور
اہلِ دل ہوتے ہیں سے در فیضیاب — بن کے جاتے ہیں یہاں سے آفتاب

(ماحصلِ منظر)

رات کی تاریکیوں میں ہے یہاں نورِ سحر
اس چمن کا خار بھی ہے حاملِ رنگ و بہار

(روضۂ بابا پیام الدین ریشی رح)

جنتِ کشمیر ہے تقویٰ شعاروں کا وطن — صوفیوں، ساجدوں، شب زندہ داروں کا وطن

مرزا صاحب کی غزلوں اور نظموں میں بھی جا بجا ایسے اشعار اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔

طواف میکدہ کرتا ہے روز و شب ترا شیدا
وہ برگِ تاک کا باندھے ہوئے احرام ہے ساقی

آگ پھولوں میں، چمن میں آگ، فوّاروں میں آگ
ہر طرف شعلے ہی شعلے زعفرانزاروں میں آگ

تری چشم فسوں گر فتنہ زا کا قیامت رکھ دیا ہے نام ساقی

ملتی ہے مرے دیدۂ دل کو جو بصارت
بُتخانے کے اندر میں حرم دیکھ رہا ہوں

یوں تو عاشق ہیں بہت لیکن کوئی مجنوں نہیں
نجد ہے منزلگہِ محمل سواراں آج بھی

اردو کے علاوہ شیدا نے فارسی میں بھی شاعری کی ہے۔ کلام میں پختگی اور شیرینی ہے اور عقیدت کا ترانہ جا بجا شعریت کا خزانہ ہو گیا ہے۔

شاعری محبّت کی زبان ہے۔ عشق کی داستان ہے اور زندگی کی معرفت کا ترجمان۔ اِس عشق و محبّت اور اس معرفت کے ہزاروں رنگ ہیں۔

ہر موضوع اظہار کے لئے ایک حساس اور دردمند دل اور زبان و بیان پر دسترس کا متقاضی ہے۔ مرزا کمال الدّین شیدا کے منتخب کلام میں بھی ارباب نظر کو ایسے جواہر پارے مل جائینگے جن سے فطرت۔ زندگی اور انسانیت کے بلند ترین مظاہر کے عرفان میں مدد ملے گی۔ مجھے یقین ہے کہ ارباب فکر و نظر اِسکا خیر مقدم کریں گے۔

پروفیسر آل احمد سرور

ادارۂ اقبالیات
کشمیر یونیورسٹی
اگست ۱۹۸۲ء

میں جناب پروفیسر آل احمد سرور اردو ادب
کے نامور نقاد کا، جنکی نگارشات انتقاد
عالیہ کا درجہ رکھتی ہیں، بیحد شکر گذار
ہوں جنہوں نے اپنی بے شمار
مصروفیتوں کے باوجود میری
منظومات کے مسودہ کو دیکھکر از روئے
ذرہ نوازی اس مجموعہ کا پیش لفظ
لکھکر میری قدر افزائی فرمائی ہے

ذرّہ بہ آفتاب رسید آفتاب شد

نگین مرزا باغ

مرزا کمال الدّین شیدا

اگست۔ ۱۹۸۲ء

قارئین سے گذارش

وفات : ۱۵ فروری ۱۹۸۳ء بروز منگلوار صبح ۴½ بجے اللہ کو پیارے ہو گئے

خاکسار کا بیٹا مسمّیٰ معراج الدین (مہتمم گلشن پبلشرز کاوکدل) کی اچانک موت فہرست ہذا کو تاخیر سے شائع کرنیکا سبب بنی۔ مرحوم کی عمر بتیس ۳۲ سال تھی۔ جہانتک پبلشنگ کا تعلق ہے۔ خاکسار کو اس سانحہ عظیم سے دشوار ترین راستوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ پھر بھی اسکی وفات کے بعد ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ ہم قارئین کو کسی مشکلات کا سامنا نہ کرنے دیں۔ اور ان تک اپنی اور دیگر بہترین مطبوعات وقت پر پہنچادیں۔

اُمید ہے کہ قارئین میرے حق میں دعاخیر فرمائیں۔ تاکہ خاکسار میں یہ صدمۂ عظیم برداشت کرنے کی قوت پیدا ہو۔

آپ کا خادم : شیخ محمد عثمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا کیا دکھا رہا ہے پروردگار دیکھیں

فصلِ بہار دیکھیں وصلِ نگار دیکھیں
کیا کیا دکھا رہا ہے پروردگار دیکھیں

پھولوں کے رنگ و بو میں اوصافِ یار دیکھیں
کثرت میں رازِ وحدت ہم آشکار دیکھیں

بادِ صبا گُلوں سے پھر ہمکنار دیکھیں
بُلبل کو زار دیکھیں دل بیقرار دیکھیں

نخلِ چنار دیکھیں، برگِ انار دیکھیں
یہ سایہ دار دیکھیں، وہ شعلہ بار دیکھیں

چل بید زار دیکھیں قمری ہزار دیکھیں
ہم مرغزار دیکھیں اور مُرغ زار دیکھیں

زُلفِ نگار دیکھیں اور چشمِ یار دیکھیں
اس کا اُتار دیکھیں اُس کا خُمار دیکھیں

باغِ نسیم دیکھیں لُطفِ شمیم دیکھیں

باغِ نشاط دیکھیں، اور شالہ مار دیکھیں

مضراب دردسے ہو نبر بز ساز دل کا

شرمندہ جس نوا سے دُراج و سار دیکھیں

ہوتی ہے حسن و اُلفت میں بھی عجب کشاکش

وہ بار بار روئیں ہم بار بار دیکھیں

ڈل میں حُباب سے ہو درس شباب حاصل

اسکا چڑھاؤ دیکھیں اس کا اُتار دیکھیں

نقدِ حیات لیکر ہے موت کی تمنّا

کب تک جہانِ فانی میں گیر و دار دیکھیں

یہ نظم ہم طرح ہے با ''ارمغان ناظر''

شیداؔ کہاں کہاں وہ طرز بیان ناظر

ولولۂ شباب کیا
حوصلۂ حباب کیا
دل کو ہے پیچ و تاب کیا
کاہشِ اضطراب کیا
معصیت اور ثواب کیا
مژدہ کہاں عتاب کیا
رحمتِ عام کس لئے
مجھ سے طلب حساب کیا
دل کو تلاشِ یار ہے
حور کہاں شراب کیا
شوقِ نظر ہے پردہ در
پردہ کہاں نقاب کیا

حُسن ہے فرد فرد میں
نقطۂ انتخاب کیا

سرود زیر و بم ہے ابر ہے کہسار ہے ساقی
سماں دلکش ہے بار توبہ مجھ پر بار ہے ساقی

چمن میں ڈالی ڈالی جھومتی ہے فرطِ مستی میں
یہاں ہر پھول میں پوشیدہ حسن یار ہے ساقی

سیرِ باغ[3]

کل شام میرے دِل کو ہُوا شوقِ سیرِ باغ
بیٹھا تھا اپنے کُنجِ نشیمن میں بے چراغ
لیلائے شب کا صحنِ چمن میں تھا یہ اثر
قمری و عندلیب تھے منقار زیرِ پر
تھے مسجدوں میں جمع نمازی بوقتِ شام
اور چل رہا تھا خانۂ ساقی میں دورِ جام
سالک تو پڑھ رہا تھا مصلّے پہ وردِ حیٔ
صوفی بجا رہا تھا شبستاں میں چنگ و نے
تنہا اسی خیال میں گھر سے نکل پڑا
ڈل کی طرف میں جذبۂ مستی سے چل پڑا
گیسوئے شام دوشِ ہوا پر بکھر گئے
پانی کو بیقرار بکھرنے میں کر گئے
اٹھتی تھی بوئے مشکِ ختن سطحِ آب سے

تارے چمک رہے تھے حسین آب و تاب سے

جس سے کہ قلبِ آب میں اک اضطراب تھا

گویا کہ بے قراریٔ دل کا جواب تھا

ہر سمت سے سکوت و خموشی کا رنگ تھا

جس کے لئے وہ عالمِ حیرت بھی تنگ تھا

صرف ایک عندلیب نواسنجِ اضطراب

گُل ہو رہے تھے جس کے ترنّم سے آب آب

باقی تمام عالمِ اِمکاں خموش تھا

حیرت کا جام نوش کئے کس کو ہوش تھا

جلوہ طراز و زینتِ اِجلاسِ آسمان

بامِ فلک پہ چاند ہُوا شان سے عیان

بے پردہ فرقِ کوہ پہ یہ نور کا ظہور

مُجھکو ہُوا گمان کہ ہے یہ جھیل رشکِ طور

واماندہ گان راہِ محبّت یہ دیکھ کر

پھر باندھتے ہیں منزلِ مقصود پر کمر

بامِ فلک پہ تا بہ سمک رنگِ نور ہے

شوقِ کلیم کم ہے کسی کا ظہور ہے

لبریز آج نرگسِ شہلا کا جام ہے

ساقی کا برگ برگ پہ مرقوم نام ہے

بادام باغ جلوہ گہِ خاص و عام ہے

وحشت زدوں کا کام ابھی جا تمام ہے

گُل خندہ زن ہے جوشِ جوانی میں شاد ہے

شبنم کا صبح اسکو رلانا بھی یاد ہے؟

شبنم سے آسمان دُرافشاں بہ چشمِ تر

نا پائداریٔ گل و لالہ پہ ہے نظر

صحن چمن میں پھول کا بیہودہ ناز ہے

فانی جہاں ہے چرخ کہن کینہ ساز ہے

اِس گُنہ پر مُجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

تیر وہ کون جو سینے سے میرے پار نہ تھا
ناوکِ ناز ترا باعثِ آزار نہ تھا

یہ بھی اِک ناز کہ موسیٰ کی طلب کو دیکھیں
لن ترانی کی غرض دید سے انکار نہ تھا

کرمکِ شمع کی یہ شعلہ نوازی کا فریب
جل گیا سارے کا سارا مگر اظہار نہ تھا

جبر پر جبر کہ پاداشِ عمل کی تنبیہ
"اِس گُنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا"

تیری رحمت نے گراں مول لئے میرے گناہ
جنسِ بے سود کا کوئی بھی خریدار نہ تھا

کم خرد پیکرِ خاکی نے کئے جلد قبول
غم واندوہ کا کوئی بھی طلبگار نہ تھا

گیسوئے محبوب کی مانند بل کھاتی ہے رات
یار کے سُلجھے ہُوئے بالوں کو اُلجھاتی ہے رات

دیکھ اترائی ہُوئی کس شان سے آتی ہے رات
مُشک و عنبر ہر جگہ آ کر لٹا جاتی ہے رات

خفتہ پا خاکی نژادوں کو ہے آوازِ درا
چاند تاروں کا لئے کیوں کارواں جاتی ہے رات

یہ گدازِ زندگی شیدا سبق آموز ہے
شمع جل جاتی ہے لیکن زندگی پاتی ہے رات

یا الٰہی اِس قدر اِس کے سکوں پرور مقام
ہر طرف خاموشیوں کا سحر پھیلاتی ہے رات

پرتوِ رحمت سے ظُلمت کاریاں کا نور ہیں
صبح ہوتے ہی خدا جانے کہاں جاتی ہے رات

چند نالے اشک کچھ تھوڑی سی پروانے کی راکھ
بارگاہِ قدس میں یہ تحفہ لے جاتی ہے رات

چُن کے کچھ موتی میرے اشکِ ندامت سے مدام
قدسیانِ عرش کو یہ ہار پہناتی ہے رات

آستانِ عرش سے لاتی ہے رحمت کا پیام
بے بہا اشکوں کا کرتے ہیں فرشتے احترام

رات

پانپور میں ایک شام

زعفراں اے پس روِ گُل خسروِ ملکِ خزاں

سرزمینِ کشمیر کی تُجھ سے نظیرِ آسمان

لاجوردی وردیاں پہنے قطار اندر قطار

جا رہے ہیں کس طرف پس لشکرِ ملکِ بہار

واسطے دہقاں کے کیا ہی زربداماں ہے یہ پھول

عاشقوں کے واسطے اخگر بداماں ہے یہ پھول

شعلہ اک لپٹا ہُوا گویا ہے دُودِ آہ میں

یا ہے سوزِ معرفت پنہاں دلِ آگاہ میں

زعفراں کے کھیت دیکھے ہیں شبِ مہتاب میں

یہ مناظر نقش ہیں میرے دلِ بیتاب میں

ننّھے ننّھے پھول ہیں پہنے ہُوئے رنگیں قبا

دلنواز و دلنشین و دلفریب و دلرُبا

میں یہ سمجھا ہر طرف شمعیں فروزاں ہو گئیں

یا صف آرا رقص کرنے کو ہیں پریاں ہو گئیں

نقرئی لہروں میں اپنی انکو نہلاتا ہے چاند
موتیوں سے ان کا دامن بھر کے چھپ جاتا ہے چاند

اس چمن کا چپہ چپہ کیمیا تاثیر ہے
یہ زمیں پر گلشن فردوس کی تصویر ہے

چن رہی ہیں پھول اور گاتی ہیں دہقان زادیاں
حسن کی آبادیاں کشمیر کی شہزادیاں

چاندنی راتیں ہیں شیدا بارش انوار ہے
یہ زمیں پانپور کی گویا تجلی زار ہے

پسرِ دہقان

نالۂ دل آج ہم آہنگ سازِ درد ہے　　خامۂ سحر آفریں مضموں طرازِ درد ہے

رونقِ قلبِ حزیں سوز و گدازِ درد ہے　　درد کو ہے ناز دل پر دل کو نازِ درد ہے

آج سازِ دل میرا منت کشِ مضراب ہے

چشمۂ چشمِ جہاں بیں سے رواں سیلاب ہے

اپنے پہلو میں لیئے درد نہاں آیا ہوں میں　　قوم کا دکھڑا سنانے کو یہاں آیا ہوں میں

ایک بیکس کی لئے منہ میں زباں آیا ہوں میں　　اک دکھی دہقاں کی لیکر داستاں آیا ہوں میں

فی الحقیقت نظم میری مرثیہ تاثیر ہے

انقلابِ چرخ ناہنجار کی تصویر ہے

ایک گاؤں سے ہوا میرا گذر بستی سے دور　　اتفاقاً ایکدن حسرت گہِ ہستی سے دور

دل مرا بے مدعا سر میرا سرمستی سے دور　　بے رخی سے شہر والوں کی زبردستی سے دور

سبز اک وادی طرب افزا لبِ دامانِ کوہ

صانعِ مطلق کی ظاہر ہر طرف شان و شکوہ

کھیت تھے سرسبز اور پیک بہار آیا ہوا　　تھا گلوں نے ہر طرف جوبن نیا پایا ہوا

کیا کہوں ہو کا سماں تھا چار سو چھایا ہوا　　ہاں فقط اک نوجواں دل خستہ گھبرایا ہوا

اک طرف بیٹھا ہُوا گویا سراپا درد تھا
ظلم وجورِ چرخ کج رفتار سے دل سرد تھا

اُسکی آنکھوں سے عیاں رنج نہانِ بیکسی
اُسکی خاموشی سراسر ترجمانِ بیکسی

وہ زمین بیکسی وہ آسمان بیکسی
لانہ سکتا تھا زباں پر داستانِ بیکسی

زرد روبے پیرہن وہ کُشتۂ آزار تھا
خستہ حالت دل حزیں تھا زار تھا بیمار تھا

مجھ سے یوں کہنے لگا ضبطِ فغاں ہو کب تلک
میرا باغ زندگی وقفِ خزاں ہو کب تلک

مہرباں میرے لئے نامہرباں ہو کب تلک
میری حالت زار ہو یہ خستہ جاں ہو کب تلک

کثرتِ اندوہ سے تاب و تواں باقی نہیں
دردِ غم سے اب میرے قالب میں جاں باقی نہیں

ہوں ریاضِ دہر میں سرمایہ دارِ زندگی
میرے بازو پر ہے دُنیا کا مدارِ زندگی

آب دو کھیتی کا ہر اک آبشارِ زندگی
جا کہوں کس گوش میں احوالِ زارِ زندگی

جھونپڑی خالی مری نقش و نگارِ علم سے
میرا باغ آرزو عاری بہارِ علم سے

زیردستوں پر تُجھے کچھ رحم آنا چاہئے
حالِ عبرت ناک پر آنسو بہانا چاہئے

غیریت کو چھوڑ کر غیرت دکھانا چاہئے
بیکسی میں بیکسوں کے کام آنا چاہئے

کیا تمہیں کچھ جذبۂ اسلام کا احساس ہے

رحمۃ للعالمین کا بھی نہیں کچھ پاس ہے

رہبرِ راہِ ہُدا وہ سیّدِ عالی خصالؐ آپؐ کے دربار میں ہمرُتبہ بوبکرؓ و بلالؓ

کون تھا اُس عہد میں واقفِ غم ورنج و ملال دل نہیں پہلو میں ہے اک محشرستانِ خیال

آپؐ کی ذاتِ مُبارک چارہ سازی کیلئے

دلبری، دل پروری، مسکیں نوازی کیلئے

آج ساری قوم ہے غفلت شعار افسردہ حس مُردہ دل کوئی مسلماں ہے کوئی ہے مُردہ حس

بے دِلی بے ہمّتی خوکردہ وافسردہ حس جو رِدورِ آسماں گوییم چیر از من بردہ حس

"دوستی از کس نمی بینیم یاراں را چہ شد

دوستی کو آخر آمد دوستداراں را چہ شد"

میرے دل میں دیکھ بے اندازہ شوقِ علم ہے میری فطرت میں بھرا رگ رگ میں ذوقِ علم ہے

حلق ہے واقفِ رسن اب شوقِ طوقِ علم ہے آج دُنیا کے ہُنرمندوں میں فوقِ علم ہے

ہے ضیائے علم سے روشن چراغِ زندگی

آبشارِ علم سے سرسبز باغِ زندگی

کب تلک حسرت نصیبی بیکسی میرے لئے وائے ناکامی ہے شامِ مُفلسی میرے لئے

بیکسی کے واسطے ہیں بیکسی میرے لئے شکوہ بیداد ہے کارِ خسی میرے لئے

زندگی میری بھی ہے کچھ شادکامی کیلئے؟

یا بنا ہوں آپ لوگوں کی غُلامی کے لئے؟

یہ درد انگیز نظم "پسرِ دہقان" ۱۹۳۲ئہ میں لکھی گئی ہے جو کہ وادیٔ کشمیر کی کثرتِ آبادی کی اُس وقت کی حالتِ زار اور زبوں حالی کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔ خداوندِ کریم کا شکر ہے کہ اس کے فضل و کرم اور تحریکِ حریّتِ آزادیٔ کشمیر کی بدولت دہقان کی حالتِ زار بدل گئی ہے اور آج وہ دوسروں کے ہمدوش جادۂ حیات پر رواں دواں مصروفِ سعی اور منزل بہ منزل تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے:۔

ہے منوّر علم سے کاشانۂ دہقانِ پیر

(شیدا)

اَچھہ بل اور کوہسار

اچھہ بل اور کوہسار | ہو شرر با جوئبار | لالہ و گل بیشمار | جلوہ گہِ حسنِ یار
باغ ہے یہ سحر کار | بلکہ ہے جنّت نگار | جا بجا انتظار | قدرتِ پروردگار

لالہ و گل صف بہ صف | ساغرِ عشرت بکف | حسن کہیں گل بکف | عشق کہیں دل بکف
شور و شغف ہر طرف | ہو کا سماں ہر طرف | ہم نفسِ چنگ و دف | نغمۂ دلّراج و سار

حسن کہیں محوِ ناز | ناز کہیں پر نیاز | ہے یہ کہیں غزنوی | اور کہیں ہے ایاز
بیں ہمہ حسن کبھی با نیاز | اور کبھی بے نیاز | مجھکو نہیں امتیاز | مجھکو نہیں اختیار

دامنِ کہسار میں | ایسے چمن زار میں | خوبیٔ رفتار میں | پھول میں ہر خار میں
خیمۂ اشجار میں | جلوہ گہِ یار میں | حور ہے عریاں کوئی | یہ تو نہیں جوئبار

حسنِ شب ماہتاب | دیکھے بر سطحِ آب | آب نہیں آب و تاب | لالہ و گل نور یاب
محوِ طرب شیخ و شاب | حسنِ ازل بے نقاب | بلکہ بصد گونہ آب | دیدۂ بینا کفار

لالہ کمر در کمر　زیرِ نظر سر بسر　سنبل و نسرین تر　زینت دیوار و در
لطفِ نسیمِ سحر　دشت و دبستاں گذر　اپنی یہیں ہو بسر　زندگی مستعار

سامنے ہے آبشار　میری طرح بیقرار　نوحہ فقط کاروبار　شام و سحر اشکبار
اسکو نہیں ہے قیام　اسکو نہیں ہے قرار　اِس میں کہیں اضطرار　اِسمیں کہیں انتشار

دامن گل چھوڑ کر　سر کو کہیں پھوڑ کر　بند کہیں توڑ کر　اور کہیں جوڑ کر
باغ سے مُنہ موڑ کر　مُجھکو یہیں چھوڑ کر　کِس کی طرف دوڑ کر　جاتی ہے دیوانہ وار

غلغلۂ آبِ جو　ولولہ اندوز ہے　اِسمیں کہیں ساز ہے　اِسمیں کہیں سوز ہے
اہلِ ہمم کے لئے　حوصلہ افروز ہے　تجربہ آموز ہے　اس کی ہر اک گیرودار

آبِ شکن در شکن　پھول چمن در چمن　ہوشربا نسترن　سنبل و نسرین سمن
لالۂ گل پیرہن　زیب دہِ انجمن　غنچہ دہن بر دہن　خواہش بوس و کنار

نغمۂ صلصال سے　دِل ہے میرا پاش پاش　لے ہے عجب دلفریب　راگ عجب دلخراش
مُجھکو یہی ہے تلاش　اِسکی بنے بود و باش　راہ روِ آسمان　گاہ سرِ[۳] کوہسار

دخترکِ دیہقان کھیت میں مصروف کار — سُرمۂ دُنبالہ دار — پیرہنِ لالہ کار
دیکھتی ہے بار بار — سیم بدن گلعذار — دِل سے لیا ہے قرار — مجھکو نہیں اختیار

سلسلۂ کائنات — ہے مدو جزرِ حیات — اسکو نہیں ہے ثبات — اس سے نہیں ہے نجات
چرخ کہیں سفلہ ذات — کس سے کریں التفات — اسکو نہیں ہے قیام — اسکو نہیں ہے قرار

(یہ نظم اچھہ بل میں لکھی گئی ہے)

محشر خرام ندّی

دامانِ کوہ کیا ہے　　شان و شکوہ کیا ہے
یہ پھول پیارے پیارے　　اور دلربا نظارے
اِن گرمجوشیوں میں　　ایسی خموشیوں میں
یہ تیز گام ندّی　　محشر خرام ندی
اُٹھتی ہوئی جوانی　　اور اسکی تیز رانی
کہسار سے نِکل کر　　کیسے اُبل اُبل کر
کیسے پھسل پھسل کر　　دیکھو اُچھل اُچھل کر
پانی اُچھالتی ہے　　حیرت میں ڈالتی ہے
پہلو بدل رہی ہے　　کیا تیز چل رہی ہے
ہاں آبشار ہے یہ　　کیوں بیقرار ہے یہ
دیوانہ وار کیوں ہے　　یہ اضطرار کیوں ہے
آنسو بہا رہی ہے　　یہ نوحہ گا رہی ہے

ہے بے ثبات دُنیا

بے التفات دُنیا

صدیوں سے چل رہی ہوں — پہلو بدل رہی ہوں
دُنیا کے رنگ دیکھے — اور اس کے ڈھنگ دیکھے
پتوں کو جھڑتے دیکھا — پھولوں کو سڑتے دیکھا
دیکھے ہیں لاج والے — اور تخت و تاج والے
وہ نازنین نرالے — کیا کیا جواں جیالے
جو گل کو خار سمجھیں — خوشبو کو بار سمجھیں
آغوشِ خاک میں ہیں — کالے مغاک میں ہیں
کتنے حسین دیکھے — کیا نازنین دیکھے
وہ آن بان والے — اور عزّ و شان والے
قبروں میں سو گئے ہیں — خاموش ہو گئے ہیں
اب ہوش کھو رہی ہوں — بیہوش ہو رہی ہوں
یہ نوحہ گا رہی ہوں — آنسو بہا رہی ہوں
عبرت اٹھا رہی ہوں — تمکو سُنا رہی ہوں

ہے بے ثبات دُنیا
بے التفات دُنیا

مخمّس ستانِ ہوکھرسر[3]

سرینگر سے چند میل دُور بارہمولہ جانے والی شارع عام پر ایک خوشنما جھیل "ہوکھرسر" واقع ہے۔ اس خوبصورت جھیل میں کثرتِ گیاہ اور شفاف آئینہ نُما پُرکشش پانی میں موسمِ سرما میں اکثر متنوع خوشرنگ آبی پرندے بالخصوص مُرغابیاں باہر سے آکر فروکش ہوتی ہیں مرغابیوں کے شکار کے شائقین شکار کھیلنے کے لئے اِس جھیل میں اور اسکے گردونواح میں اکثر جاتے ہیں۔ مجھے بھی ایک دِن میرا ایک چنچل مزاج دوست شوخیٔ طبیعت جس کے سن وسال کا تقاضا تھا۔ دسمبر کے دنوں میں اس جگہ ہمراہ لے گیا۔ وہاں بندوقوں اور بندوق اندازوں کی بے رحمی اور بےبس پرندوں کی بیچارگی اور مرگ مفاجات پر مزاج بھر آیا۔ یہ چند بند اُسی تاثر کا نتیجہ ہیں

کل ایک شوخ، فتنہ زا — مجھے ہوکھرسر میں لے گیا

وہاں وہ پُرگیاہ جھیل
کہیں فزوں کہیں قلیل

کہیں پہ رشکِ سلسبیل
یہاں سے چند چند میل
کل ایک شوخ فتنہ زا مجھے ہو کھرے میں لے گیا

نشست میں طیور تھے قریب و دور دور تھے
کہیں پہ بط تھے قاز تھے
عَجَب ترانہ ساز تھے
کہیں پہ سرفراز تھے
بغیر امتیاز تھے
نشست میں طیور تھے قریب و دور دور تھے

کہیں پہ مُرغ آب میں کہیں پہ اضطراب میں
سفید و سُرخ بال تھے
عجیب خوش مقال تھے
حسیں تھے با جمال تھے
پھڑک میں بے مثال تھے
کہیں پہ مُرغ آب میں کہیں پہ اضطراب میں

کوئی لئے تُفنگ بند — تمام کارو بار بند
کہیں سمانِ[۳] نازنین
غزال چشم سُرمگیں
کماں بدست در کمیں
کہیں صدائے آفریں
کوئی لئے تُفنگ بند — تمام کارو بار بند

ٹھاس ٹھاس ٹس ٹپاس — کسی کے اُڑ گئے حواس
یہ گرا یہاں گرا
وہ گرا وہاں گرا
دیکھئے کہاں گرا
کوئی کہے کہ ہاں گرا
ٹھاس ٹھاس ٹس ٹپاس — کسی کے اُڑ گئے حواس

فغان و شور کہیں — تسلسلِ فیر کہیں
کسی کی جان نا رہے

۱۔ بندوق چلانے کی آواز

کسی کا دل فگار ہے

کسی کو اضطرار ہے

کوئی تو بے قرار ہے

فغان و شور و شر کہیں تسلسل فیر کہیں

کوئی بروے خاک ہے کسی کا سینہ چاک ہے

کوئی شکستہ پر گرا

کہیں کسی کا سر گرا

کہیں پہ جانور گرا

کہیں دل و جگر گرا

کوئی بروے خاک ہے کسی کا سینہ چاک ہے

یہ ظلم سینہ سوز ہے غم و الم فروز ہے

کہیں ہے قہقہہ بلند

کہیں ہے چہچہہ بلند

کوئی شکستہ بند بند

دو چند کیا ہزار چند

یہ ظلم سینہ سوز ہے غم و الم فروز ہے

کشمیر کی شہزادی

کل اپنے نشیمن میں خلوتکہ جاں کن میں
تھی یاد تیری من میں اک آگ لگی تن میں

خواہش ہے چلیں بن میں

انکار کی بستی سے حسرت گہِ ہستی سے
اقرار کی مستی سے انکار کی پستی سے

دل اپنا مبرّا ہو عقل اپنی معرّا ہو
یہ جائے مصیبت ہے آزار و اذیّت ہے
الفت میں تکلّف ہے باتوں میں تفلسف ہے
تہذیب کی پابندی یہ بھی ہے ہنرمندی

دل گنجِ شکایت ہے

لب محوِ تشکّر ہیں

اظہار پسندی سے آزار پسندی سے

اک آگ لگی تن میں

خواہش ہے چلیں بن میں

چل کوہ و دمن دیکھیں فطرت کا چلن دیکھیں
منظر ہے سرور افزا مطلع بھی ہے نور افزا
یہ سیم قبا وادی کشمیر کی شہزادی
یہ برف کی آرائش اس میں نہیں آلائش
فطرت کی فسوں کاری مہتاب کی ضو باری
ہیں کوہ و دمن سیمیں اور باغ و چمن سیمیں
اشجار ز پا تا سر ہیں سیم قبا در بر
ہیں شانِ تجمل میں انہار تسلسل میں
مسرور ترنم ہیں مشغول تبسم ہیں
ہے کیف ہر اک شے میں یہ نشہ کہاں مے میں
ہے سوز عجب نے میں جوشش ہے رگ و پے میں
ہاں ای کششِ الفت ہے تجھکو اگر فرصت

خلوت سے اٹھا کر تو
جلوت میں مجھے لے جا

کیا خوب مناظر ہیں مرغوب مناظر ہیں
تاروں کی کہیں محفل یاروں کی کہیں محفل
ہے چاند بھی نور افشاں کچھ ابر میں کچھ عریاں

یخ بستہ زمیں ساری — ہے کیف عجب طاری

آئینہ نما دُنیا — یہ سینہ صفا دُنیا

در ملکِ صبا بادل — یہ سیم قبا بادل

ہیں ہوش رُبا بادل

وجداں ہے ہر اک شے میں — یہ نشہ کہاں مے میں

اے بادِ صبا اپنے شہروں میں مجھے لے جا

تاروں کی طلا افشاں نہروں میں مجھے لے جا

دریائے محبّت کی لہروں میں مجھے لے جا

ہر رات کو ہاں پچھلے پہروں میں مجھے لیجا

وجداں ہے ہر اک شے میں — جوشش ہے رگ و پے میں

(۱۹۳۰ء)

یہ کس جنگل سے ندّی آرہی ہے

یہ کس جنگل سے ندی آرہی ہے جو اپنے ساتھ منگل لا رہی ہے
خرام اسکا نہیں محشر سے کچھ کم
جوانی کا سماں دکھلا رہی ہے

ادھر بادل یہ بادل آ رہے ہیں یہ اپنے گیت گاتی جا رہی ہے
ہے سایہ سرو کا ندّی میں گویا
کوئی کمسن حسیں نہلا رہی ہے

سحر اور یہ سماں دلکش سہانا ہرے پھولوں کی خوشبو آرہی ہے
چناروں پر سرودِ زیر و بم ہے
درود و حمد کویل گا رہی ہے

یہ ننھّی آب جو اس پر غمِ عشق مگر اظہار سے شرما رہی ہے
نہ جانے اسکو کیا وحشت ہے اتنی
ہر اک پتھر سے سر ٹکرا رہی ہے

جنوں ہے سوز ہے وارفتگی ہے عجب دلسوز نغمے گا رہی ہے
بڑی تیزی سے بہتی جا رہی ہے

گُل و سنبل سے کھنچی جا رہی ہے

مُجھے یہ یاد کس کی آ رہی ہے
دلِ غمناک کو گرما رہی ہے

گُلوں سے گلشنوں سے جنگلوں سے
مُجھے یہ کس کی آواز آ رہی ہے

لچکتی اور مچلتی آ رہی ہے
اچھلتی اور پھسلتی جا رہی ہے

یہ سازِ درد پر کیا گا رہی ہے
تڑپتی ہے مجھے تڑپا رہی ہے

وہاں کھیتی میں اک دہقان زادی
فضا یہ دیکھکر شرما رہی ہے

سراپا عجز مصروفِ دُعا ہے
یہ شانِ بندگی دکھلا رہی ہے

برسنے کے لئے کھیتی پہ اُسکی
وہ رحمت کی گھٹا منڈلا رہی ہے

ساقی

دلِ غمگیں رہینِ گردشِ ایام ہے ساقی
مداوا گردشِ مینا ہے دورِ جام ہے ساقی

ہماری بزم میں جب سے طلوعِ جام ہے ساقی
نہ قیدِ صبح ہے کوئی نہ بندِ شام ہے ساقی

میرے دل کو جلا تو آتشِ انگور سے دیدے
کہ زنگ آلودہ آب آئینۂ ایام ہے ساقی

تمہاری مست آنکھوں کی قسم پیہم نہیں ہرگز
یہ آبِ زندگانی ہے مگر بدنام ہے ساقی

طوافِ میکدہ کرتا ہے شیدا روز و شب تیرا
وہ برگِ تاک کا باندھے ہوئے احرام ہے ساقی

ابھی تک امتیازِ رنگ و بو کیوں عام ہے ساقی
یہی رندوں کی محفل میں شکایت عام ہے ساقی

ملوکیت سے کم اس میں نہیں ہے شکرِ مجبوری
مئے جمہور پر تیری بڑا الزام ہے ساقی

الم سے چشمِ نرگس باغ میں نمناک ہے ساقی
گلوں کا فرطِ وحشت سے گریباں چاک ہے ساقی
گراں مایوں کو لطفِ زندگی سے تہ نشیں ہو کر
رواں دریا کے سینے پر خس و خاشاک ہے ساقی

کشمیر

میرے کشمیر مرے گلشنِ فردوس نظیر
تیرے چشمے ترے انہار ہیں کوثر تاثیر

سینکڑوں خُلد بداماں ہے ترا ہر گلزار
فرش ہے عرش نُما ذرّہ ثُریّا توقیر

فکرِ فنکار کی ہمرنگ زمین گُل پوش
ذہن عکاس کی مانند چمن ہے تصویر

ہر کلی عقدہ کشائی کا ہے لیکر پیغام
ہر گُلِ تر ہے مرے خواب کی رنگین تعبیر

ترے کہسار کے دامن میں مُسلسل انہار
پاؤں میں فیل سیہ مست کے سیمین زنجیر

لالہ سُرخ قبا پوشِ مثال نوشاہ
سرنگوں نرگسِ شہلا چو عروسِ دلگیر

زیبِ تن سُرخ قبا سر پہ ہے سیمیں دستار
فرقِ ہر کوہ پہ ہے برف نشاں توقیر

کھیت سرسوں کے ہیں تاحدِ نظر موجِ طلا
ہو گیا مُجھکو یقیں خاکِ وطن ہے اکسیر

اوج کہسار سے آکر یہ ہوئی خاک نشین
صاف صوفی کیطرح جوئے رواں پاک ضمیر

سینۂ سنگ میں یہ آگ نہیں ہیں انہار
آگ پانی میں مُبدّل یہ ہوا کی تاثیر

دیر سے تیشۂ فرہاد ہے مصروفِ عمل
عزمِ معمار سے ظاہر ہے شکوہِ تعمیر

ساری دنیا کو سُنا دو یہ باوازِ بُلند
ہم ہیں کشمیر کے شیدا ہے ہمارا کشمیر

ملکۂ کہسار

کوہساروں سے جو اِترائی ہُوئی آتی ہوں میں
جنگلوں میں بستیوں میں ناچتی گاتی ہوں میں

کوہ نادی ہوں ہیں میرے پاسباں چیل و چنار
مہ جبیں ہوں ملکۂ کہسار کہلاتی ہوں میں

آ کے برفانی پہاڑوں سے برہنہ سیم تن
شرم کے مارے پگھل کر آب ہو جاتی ہوں میں

ہے میری افتادگی میں سربلندی کا مقام
سینۂ فوارہ میں چھُپ کر اچھل جاتی ہوں میں

گاؤں میں ہنگامہ ہای زیر و بم میرے بُلند
آگے کچھُ چلکر مگر خاموش ہو جاتی ہوں میں

دل کے اندر اک خلش محسوس کرتی ہوں ضرور
اپنے اندر ایک جذبہ موجزن پاتی ہوں میں

میرے پہلو میں نہاں ہے اک دلِ پُر اضطراب
جس کو اک گہوارہ سنگیں میں بہلاتی ہوں میں

محفل آرائی ہے میری باغ شالہ مار میں
آبشاروں میں فواروں میں نظر آتی ہوں میں

یہ جوانی ہے میری خالص فسون پیچ و خم
مست ناگن کی طرح مستی میں لہراتی ہوں میں

اس جگہ اے ملکۂ ہندوستان نورجہاں
تیری صحبت یاد آتی ہے تو گھبراتی ہوں میں

ہاں مہادیو[1] سے نکلکر کشتِ دہقاں سینچ کر!
جھیلِ ڈل کے پرسکوں پانی میں کھو جاتی ہوں میں

[1] ہاروں گاؤں سے ذرا دور ایک پہاڑ کا نام ہے۔

کشمیر کا موسمِ خزاں

دیکھتے آئے صراحی جام اور مینا کی آگ

حضرتِ موسیٰ سے سنتے آئے ہیں سینا کی آگ

برگ برگ اس باغ کا اب جلوۂ صد طور ہے

ڈالی ڈالی میں وہ حسنِ آتشیں مستور ہے

ہے چنار شعلہ پوش و شعلہ پرور شعلہ بار

شور ہے صحنِ چمن میں "ایں چہ آتش ایں چنار"

ہیں چمن ناروں میں قدرت کی نئی گل کاریاں

اٹھتی ہیں ہر برگ سے ہر پھول سے چنگاریاں

سچ بتا تو اے چنارِ باغ یہ کیا راز ہے

تو سراپا سوز ہے ندی سراپا[3] ساز ہے

تیرے ہر اک برگ میں پنہاں شرر انگیزیاں

قطرے قطرے میں نہاں اسکی ترنم ریزیاں

بہ رہی ہے آبِ جو کیا ناچتی گاتی ہوئی

پیچ اندر پیچ خم در خم ہے بل کھاتی ہوئی

جھینپتی عریانیت پر اپنی شرماتی ہوئی
دل کو اک گہوارۂ سنگیں میں بہلاتی ہوئی

آگ پھولوں میں چمن میں آگ فواروں میں آگ
ہر طرف شعلے ہی شعلے زعفراں زاروں میں آگ

باغ شالہ مار میں آگ اس کے فواروں میں آگ
ہے نسیم آتشکدہ پیدا ہے کہساروں میں آگ

آجکل کشمیر ہے اک کائنات آتشیں
مل گئی ہے اہلِ گلشن کو حیاتِ آتشیں

صُبح کا چاند

صُبحدم یہ چاند کا چہرا المنا کی سے زرد
جا رہا ہے کس طرف یہ عشق کا جادہ نورد
ہو چکا ہے راکھ جل کر کر مکِ شعلہ نواز
شمع بھی جل کر ہوئی ہے زندگی سے بے نیاز
کِس کی آمد سے ہے اسکا غازۂ رخسار فق
کس کا قاتل ہے سرِ افلاک یہ خونیں شفق
رات کے داماندہ تاروں نے ہے دم توڑا ہوا
چاند کو تنہا ہے ماتم کے لئے چھوڑا ہوا

جھیلِ ڈل

نقرۂ گوں رشکِ کوثر یہ نظیرِ سلسبیل
ہے کوئی مہ پارہ عُریاں کون کہتا ہے یہ جھیل
جھیل ڈل اوڑھے ہوئے اک چادرِ مہتاب سے
چاند کو آغوش میں لیکر یہ محوِ خواب ہے

عشق کا کس نے کیا یہ راز فاش

صُبحدم یہ چاند کا چہرا اُداس
زرد رُو یہ کشتۂ حرمان و یاس
یہ مُسافر رات کا صحرا نورد
پیکرِ آلام یہ تصویرِ درد
رات بھر کرتا رہا کس کا طواف
باندھ کر اِک نور کا احرام صاف
چادرِ شب ہوگئی ہے پاش پاش
عشق کا کس نے کیا یہ راز فاش

مجھکو اُس کی بے نیازی پر ہے ناز

حُسن میں اور عشق میں ہے امتیاز — اِک طرف ہے ناز یکسو ہے نیاز
آج کیوں یہ رات لمبی ہو گئی — کس نے چھیڑا قصۂ زلفِ دراز
پائے خُم پر محتسب ہے سجدہ ریز — آج ہے محفل میں کوئی پاکباز
کس کو ملتی ہے حقیقت میں نظر — کون ہوگا جادہ پیمائے مجاز
میں نے مانا بندگی میں نے نہ کی — بندہ پرور تو تو ہے بندہ نواز
کب کسی در پر جھکے گا اُس کا سر — جو ہُوا در سے تمہارے سرفراز
آپ کو ہے زعمِ دو رکعت نماز — مجھکو اسکی بے نیازی پر ہے ناز
ساربان میں عاشق لیلیٰ نہیں — ہوں سراپا دردِ مجنون حجاز
حسن کا اور عشق کا پوشیدہ راز — آشکارا کر گیا وہ نَے نواز

"آتش است ایں نالۂ نے نیست باد
ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد"

وادیٔ سندھ میں ایک شام

سندھ کے آغوش میں یہ مست پانی کا خرام
رات دن کا جاگنا کیوں نیند ہے اس پر حرام

نغمۂ بربط صدائے ساز ہے آواز میں
فتنۂ محشر ہے پوشیدہ خرامِ ناز میں

گود میں پلتی ہیں اسکی ندیاں اور آبشار
سایہ افگن ہر طرف بید و چنار و دیودار

اس کے دو اک گھونٹ پی کر مست ہے دہقانِ پیر
انگبیں تاثیر ہے یہ آبِ جوئے کاشمیر

اس دیارِ مست میں سرمست ہو جاتا ہوں میں
اک نئی دنیا کو پاکر اس میں کھو جاتا ہوں میں

بھولتا ہوں میں یہاں خلد و شراب و حور کو
پالتی ہے یہ زمیں دوشیزۂ انگور کو

دامنِ عصیاں یہاں آتا ہوں دھونے کیلئے
خلشۂ سود و زیاں اس میں ڈبونے کے لئے

نوٹ: سندھ نالہ گاندربل کے قریب جہلم میں گرتا ہے۔

کشمیر کے دامن میں

رعنائی جنت ہے کشمیر کے دامن میں
رنگینیٔ قدرت ہے کشمیر کے دامن میں
انہار کی کثرت ہے کشمیر کے دامن میں
اللہ کی رحمت ہے کشمیر کے دامن میں

ایثار و محبت ہے کشمیر کے دامن میں
اخلاص و مروّت ہے کشمیر کے دامن میں
اسلاف کی عظمت ہے کشمیر کے دامن میں
اخلاف کی ہمّت ہے کشمیر کے دامن میں

صدیوں سے رہا ہے یہ تہذیب کا گہوارہ
اک شانِ اخوت ہے کشمیر کے دامن میں
ہم نے ہی سکھائی ہے قوموں کو رواداری
اک جذبۂ الفت ہے کشمیر کے دامن میں

جو خلق کا خادم ہے اور قوم کا قائد ہے
وہ قائدِ ملّت ہے کشمیر کے دامن میں
کشمیر سے پیار اسکو کشمیر کا پیارا وہ
وہ پیکرِ الفت ہے کشمیر کے دامن میں

سب کچھ ہے یہاں لیکن یہ بات بھی چبھتی ہے
بیکاری و غربت ہے کشمیر کے دامن میں

گلمرگ سے تین میل دور حضرت بابا پیام الدّین ریشی رحمۃ اللہ علیہ کا روضۂ پُر انوار ہے۔ بے شمار زائرین اور سیّاح بلا امتیاز مذہب وملّت حضرت بابا ریشی کے مزارِ پُر انوار پر جذبۂ عقیدت مندی سے حاضری کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ حضرت بابا ؒ حضرت زین الدّین ولیؒ کی نسبت سے حضرت شیخ العالم نورالدین علمدارِ کشمیر قدس سرہ کی مریدی میں منسلک ہیں اور ریشیانِ کشمیر میں صاحبِ شان ہیں۔

اِس جگہ ہے روضۂ بابا پیام ذی وقار

یہ زمیں گُل پوش یہ پھولوں کی محفل کوہسار
یہ سماں یہ آب، یہ افراطِ گُل یہ جوئبار
لالہ و گل اس چمن کے عطر بیز و عطر بار
اس جگہ ہے سایہ گستر رحمتِ پروردگار
جنت الفردوس سے یہ سرزمیں کچھ کم نہیں
اس جگہ ہے روضۂ بابا پیام ذی وقارؒ
رات کی تاریکیوں میں ہے یہاں نورِ سحر
اس چمن کا خار بھی ہے حاملِ رنگ و بہار
ہادیٔ دیں مفتخر بابائے ملّت باوقار

مجتشم بابا پیام الدّین ریشیؒ نامدار

رُتبہ پایا ہے یہ زین الدیں ولی کے نام سے

مُنسلک رشتہ ہے جن کا نوردیں سے آشکار

شیخ ملّت نوردیں وہ ریشیوں کا تاجدار

مظہر انوارِ ہمداں عارفِ والا تبار

ہر کہ وہ جس کے چشم لطف سے ہے بہرہ یاب

ریشیٔ عالی ہمم ہے فیض بخش و فیض بار

مُرشدِ کامل مرا محبوب العالم شیخ دین قدس سرہٗ

گلشن کشمیر کو حاصل ہے جس سے اعتبار

واسطہ اُسکا ہے جو ہے عارفوں کا میر خیل

حال پر میرے عنایت کی نظر ہو ایکبار

مجھ سے پہلے سعدؔ اس در پہ ہُوا ہے جبہ سا

میرا عم محترم وہ شاعرِ رنگیں نگار

نوٹ:۔ میرے عم محترم مرزا سعد الدین سعدؔ مرحوم نے ۱۳۰۹ھ میں حضرت بابا ریشی کے مرقدِ پُر انوار پر حاضری دی ہے اور عقیدت سے مندرجہ ذیل چند فارسی اشعار لکڑی کی تختی پر کندہ کرائے ہیں۔ جو آج بھی زیارت گاہ کے دروازہ پر موجود ہے۔

پیام حق شنیدہ ہر یک از نیفضت بہ سمعِ دل ۔ شدہ زاں نام پاکت مشتہر بابا پیام الدین رحمہ

زفیض در گہت گشتہ منور خطہ کشمیر ۔ نگاہے کن زلطف خود بہ حال زارِ سعد الدین

زجور دہر دل گشتہ دلم خواست چشم تر ۔ شفیعم شو بحال من بحق شاہ زین الدّین رحمہ

۱۳۰۹ھ

خراجِ عقیدت

جناب فقیر ملت سید میرک شاہ صاحب کاشانی رح کشمیر کے ایک حق آگاہ عبادت گذار متورع خادمِ خلق بزرگ تھے۔ آپ کا حلقۂ عقیدت وسیع تھا اور آپ بلا امتیاز رنگ و نسل انسان دوستی اور خدمت خلق میں عالمگیر شہرت کے مالک تھے۔ آپ سنہ ۱۹۷۱ء میں اس دنیائے ناپائیدار سے دارالبقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔ آپ کی آخری آرامگاہ باغ شالہ مار کے قریب آپکی قیامگاہ کے ساتھ ہی ہے۔ اسی جگہ آپ کے مرشدِ کامل حضرت فقیر لال شاہ رح اور فقیر عبد القدوس رح بھی مدفون ہیں۔ آپ کا حلقۂ ارادت وسیع ہے۔ آپ کے ارتحال پُر ملال سے متاثر ہو کر یہ نظم لکھی گئی ہے۔

جنّتِ کشمیر ہے تقویٰ شعاروں کا وطن
صوفیوں، صاجدلوں، شب زندہ داروں کا وطن
اولیاءُ اللہ کا یہ مسکن دیرینہ ہے
ریشیانِ باصفا طاعت گذاروں کا وطن
ہر طرف چرچے تھے جنکے علم و فضل و ورع کے

ہے یہ اُن دانشوروں، دین کے سہاروں کا وطن

تھا انہی مردانِ حق آگاہ کے صف میں شمار

مومنِ کامل، وہ مقبولِ خدا، وہ مردِ کار

سیّدِ کاشاں فقیر باکمال واہل حال

ذکر و فکر اور قربِ خاصاں تھا ہمیشہ شغل

وہ سراپا سوز تھا جاندار جانداروں میں تھا

آسمانِ معرفت پر چاند وہ تاروں میں تھا

مسندِ عرفاں پہ وہ مردِ خدا اِک فرد تھا

وہ سراپا درد تھا ہر ایک کا ہمدرد تھا

اُس کی محفل میں رہے ہمدوش نادار و امیر

بوریا مسند نشانِ فقرا ور روشن ضمیر

قوم کے غم میں ہمیشہ وہ نزار و زار تھا

ہر کہ ومہ پر مہربان اور شفقت بار تھا

باہمی اخلاص کے روشن کئے جس نے چراغ

دے گیا وہ مردِ کامل ظاہری فرقت کا داغ

تیرے غم سے آج ہے ہر معتقد کی چشم تر

رحمت یزداں کی بارش تجھ پہ مردِ باخبر

مرگِ عاشق میں حیاتِ جاوداں کا راز ہے
ٹوٹ کر جو نغمہ بن جاتا ہے یہ وہ ساز ہے
موت کے معنی نہیں ہیں اختتامِ زندگی
"ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی"

ج

۱۵، دسمبر ۱۹۷۱ء

ساقی

جہاں ہے کشتۂ آلامِ ساقی — اب اُٹھ لیکر خدا کا نام ساقی

بلا گرداں ہے دورِ جامِ ساقی — یہی تیری صلائے عام ساقی

بذیرِ چرخِ نیلی فامِ ساقی — بنا ہے کب کسی کا کام ساقی

عنایت جام پر ہو جامِ ساقی — ابھی میرا جنوں ہے خام ساقی

بہا کر بے تحاشا خونِ انگور — کیا ہے تو نے خیرِ عام ساقی

رخِ روشن دلیلِ صبحِ دلکش — خمِ گیسو پیامِ شامِ ساقی

چمن میں کاسۂ نرگس ہے لبریز — گل و لالہ ہے لیکر جامِ ساقی

تری چشمِ فسوں گر فتنہ زا کا — قیامت رکھدیا ہے نام ساقی

غرورِ زہد سے بڑھ کر ہے کیف — سرورِ بادۂ بدنام ساقی

میری بے ربط دل کی دھڑکنوں کا — رکھا ہے زندگانی نام ساقی

اُتر کر شیشہ و ساغر میں عریاں
ہوئی ہے دُخترِ رز بدنام[٣] ساقی

ہلالِ عید

اے ہلالِ عید اے پیکِ مسرّت خوش خرام

روزہ داروں کے لئے لایا ہے رحمت کا پیام

لیکے پیغامِ مسرّت بار بار آتا ہے تو

پرچمِ اسلام پر صدیوں سے لہراتا ہے تو

سطوتِ دینِ رسول اللہ کا آئینہ دار

ہے مسلمانوں کے ماہ و سال کا تجھ پر مدار

کان کی بالی عروسِ شب کی یا زیور ہے تو

یا کسی کمسن حسیں کا ہار یا جھومر ہے تو

یا مگر گنجینۂ رحمت کا قفلِ زر ہے تو

یا کہ عکس ناخنِ زیبائے پیغمبر ہے تو

یا درخشاں کعبۂ عشّاق کی محراب ہے

یا کسی محبوب کی ابرو کا رنگیں خواب ہے

لے کے جاؤ قدسیوں سے روزہ داروں کو سلام

حق پرستوں، صوفیوں، طاعت گذاروں کو سلام

نیک بندوں عابدوں شب زندہ داروں کو سلام

با خدا، اہلِ صفا، تقویٰ شعاروں کو سلام

کثرتِ سجدہ سے روشن جن کی ہیں پیشانیاں

جن کے چہروں پر ہیں استقبال کی تابانیاں

روزہ اُن کا ہے نماز ان کی ہے راتیں انکی ہیں

سوزِ دل انکا ہے اور قدریں براتیں اُن کی ہیں

*

قرارِ دل بھی وہ دلبر بھی، دلرُبا بھی ہے

وفا شعار ہے کہتے ہیں بے وفا بھی ہے

طلسمِ کارگہِ دورِ حاضرہ ہے فریب

روا یہ مصلحتاً ہے تو نا روا بھی ہے

دیا ہے ساتھ زمانے نے کس کا یہ ظالم

سبک خرام ہے لیکن گریز پا بھی ہے

کنارے لگتی ہے یا غرقِ آب ہوتی ہے

خدا بھی ہے میری کشتی میں ناخدا بھی ہے

*

اے حُسنِ ازل میں تیرا در ڈھونڈ رہا ہُوں

تو پاس ہے میرے میں کدھر ڈھونڈ رہا ہوں

صحراؤں میں ملتا ہے کہاں چشمہ حیوان

میں خارِ مغیلاں میں ثمر ڈھونڈ رہا ہوں

ہے گیسوئے پر پیچ میں پنہاں رُخ زیبا

تاریکیٔ شب میں میں سحر ڈھونڈ رہا ہوں

جس دیس سے آیا اسے بھولا ہوں سفر میں

پردیس میں رہنے کو میں گھر ڈھونڈ رہا ہوں

اس دیس میں نایاب ہے اخلاص و محبت

ہر بھیس میں میں شام و سحر ڈھونڈ رہا ہوں

ہیں پیشِ نظر عالم امکاں کے نظارے

اے اہل نظر میں بھی نظر ڈھونڈ رہا ہوں

نقشِ پائے رفتگاں سُنسان ویرانوں میں دیکھ

اِن نئی آبادیوں میں کچھ نظر آتا نہیں
نقشِ پائے رفتگاں سنسان ویرانوں میں دیکھ

ساغر و صہبا شکستہ شمعِ محفل ہے خموش
بام و در مایوس وحشتناک ایوانوں میں دیکھ

جل بجھے شمعوں میں ملجائے نشانِ زندگی
ہو تڑپ باقی کہیں جاکر یہ پروانوں میں دیکھ

کروٹیں لیتا ہو شاید جذبۂ سعی و عمل
چشمِ دل سے اپنے ہی ناکام ارمانوں میں دیکھ

خانقاہوں میں نظر آتے نہیں بیدار دل
میکدے میں ڈھونڈلے جاکر صنم خانوں میں دیکھ

اہلِ بینش میں نہیں کچھ امتیازِ کفر و دین
رشتۂ زُنّار کو تسبیح کے دانوں میں دیکھ

بادۂ شیراز اور تبریز کا دِلکش خُمار
اَب یہاں نایاب ہے مغرب کے میخانوں میں دیکھ

کشتۂ ساحل ہیں سارے ناخدا اِس ناؤ کے
با خدا مل جائے شاید جا کے طوفانوں میں دیکھ

بُت خانہ کے اندر میں حرم دیکھ رہا ہوں

رُخ پر ترے جب زُلف کے خم دیکھ رہا ہوں
میں کفر اور اسلام بہم دیکھ رہا ہوں

دامانِ طلب کو میرے ملجاتی ہے وُسعت
جب یار کو مائل بہ کرم دیکھ رہا ہوں

سُلجھائیں الجھتے ہیں زمانے کے مسائل
جب کاکلِ پر پیچ میں خم دیکھ رہا ہوں

ملتی ہے مرے دیدۂ دل کو جو بصارت
بت خانے کے اندر میں حرم دیکھ رہا ہوں

آتا ہے نظر مجھکو وہیں کعبۂ مقصود
جس جا میں تیرا نقشِ قدم دیکھ رہا ہوں

کیا پھونک دیا سوئے چمن بادِ صبا نے
ہر پھول کو بادۂ نم دیکھ رہا ہوں

○

گلوں کا حسن و جوبن جوش پر ہے
نہاں اس میں میرا خونِ جگر ہے

طلسمِ خود فریبی کا اثر ہے
ہر اک لغزش یہاں صرفِ نظر ہے

روا ہے لغزشِ مستانہ مانا
مگر یہ لغزشِ آدم دگر ہے

ابھی کشتی ہے ساحل سے بہت دور
خس و خاشاک پر میری نظر ہے

سکونِ بحر ہے طوفان کی آمد
ہواؤں میں تلاطم کی خبر ہے

میری پلکوں پہ ہے اشکِ ندامت
مرا دامن نچوڑو وہ بھی تر ہے

بچا تھا دل قمارِ زندگی میں
لگایا وہ بھی میں نے داؤ پر ہے

پسِ پردہ مشیّت کار فرما
یہ انساں بوالہوس ہے کم نظر ہے

زوال آمادہ ہے فہم و فراست
زمانے میں فروغِ سیم و زر ہے

لبِ ساحل ہوئی غرقاب یہ ناؤ
خدا حافظ کہانی مختصر ہے

میکدے پر ہے ہجومِ میگساراں آج بھی

ہو رہا ہے امتحانِ ظرفِ یاراں آج بھی

کون کہتا ہے فضائے باغ ہے اب پُر سکون

آشیاں ہیرا ہے وقفِ یادِ یاراں آج بھی

بے زری ہے چنگِ استبداد میں خار و زبون

دہر ہے جولانگہِ سرمایہ داراں آج بھی

یوں تو عاشق ہیں بہت لیکن کوئی مجنوں نہیں

نجد ہے منزلگہِ محمل سواراں آج بھی

کون کہتا ہے مٹا گیتی سے فرسودہ نظام

کار فرما ہے طلسمِ تاجداراں آج بھی

ٹہنیاں پژمردہ کیوں کلیاں ہیں مرجھائی ہوئیں

خیمہ زن ہے باغ میں ابرِ بہاراں آج بھی

سامنے سامریٔ شیشہ گراں ہے کہ نہیں

وقت کو حوصلۂ سنگِ گراں ہے کہ نہیں

سُن لے اے پیرِ حرم مجھکو گِلہ ہے تجھ سے

کیا تو ناموسِ حرم کا نگراں ہے کہ نہیں

ہر ادا پر نگہِ دیدہ وراں ہے کہ نہیں

تیری تقلید زمانے پہ گراں ہے کہ نہیں

آدمیّت پہ مُسلّط ہے طلسم الحاد

تجھکو تقلید پیمبر بھی گراں ہے کہ نہیں

انگبیں زہرِ ہلاہل کو سمجھ بیٹھے ہیں

کیا یہی اہلِ کم نظراں ہے کہ نہیں

آج ہے بندۂ تسلیم و رضا خوار و زبون

یہ زمین کارگہ خیرہ سراں ہے کہ نہیں

ہے تیرا دائرہ فکر و نظر روئے زمین

عزم انساں خلاؤں میں پراں ہے کہ نہیں

آدمی ہے آدمی کا دُشمنِ جاں آج بھی

بندۂ ابلیس ہے یہ سادہ انساں آج بھی
آدمی ہے آدمی کا دشمنِ جاں آج بھی

ہوشیار اے ابنِ آدم بندۂ زر ہوشیار
نفس ہے آمادۂ تاراجِ ایمان آج بھی

خواجۂ نوزاد ہے اس دور کا کرگس شکم
فاقہ کش مزدور ہے مجبور و عُریاں آج بھی

یہ فریبِ زندگی تنکوں پہ ساحل کا گُماں
ہے یہ کشتی زینتِ آغوشِ طوفاں آج بھی

فصلِ گل میں جس کی قسمت میں نہیں دو چار پھول
کون ہے وہ ننگِ گلشن تنگ داماں آج بھی

آسرا میرا چمن میں ہے فقط اک مُشتِ خس
خندۂ گُل میں ہے شید برق پنہاں آج بھی

خُدا جانے متاعِ بے بہا میں نے کہاں رکھا

متاعِ درد کو میں نے بنا کر حرزِ جاں رکھا
سکونِ قلب میں آنکھوں کے پردوں میں نہاں رکھا

یہاں رکھّا وہاں رکھا عیاں رکھا نہاں رکھا
خدا جانے یہ لعلِ بے بہا میں نے کہاں رکھا

جبینِ عجز کو میں نے زمیں پر بے گُماں رکھا
تصوّر میں مگر تیرا ہی سنگِ آستاں رکھا

مجھے ڈر ہے کہیں خونِ جگر پلکوں پہ آ جائے
مگر ان دو نوں پر ضبط کو ہے پاسباں رکھا

گلستاں میں کہیں جل بجھ کے پنہاں زیرِ خاکستر
بچا کر اِک شرارہ کس نے بہرِ آشیاں رکھا

سفینہ زندگانی کا حوادث کے تلاطم میں
پھر ماہی میں گا کس نازک ادا نے بادباں رکھا

جوانی میں بہت پیرانہ سالی کے مقام آئے
مگر پیری میں سوزِ عشق کو میں نے جواں رکھا

جہاں نامہرباں ہو، جانِ عالم! مجھکو کیا پروا
اگر تیری محبّت نے خدا کو مہرباں رکھّا

سُبک ساروں کی محفل میں سُبکساری کو اپنایا
زمانے کی گرانی نے مجھے بھی سرگراں رکھّا

نگاہِ مرحمت اُس کی بہارِ زندگانی ہے
نظر جب پھیر لی گُلشن سے نام اُسکا خزاں رکھّا

سفر میں حوصلہ میرا پرکھنے کے لئے شیداؔ
یہ کس نے راہ بر کو بھی شریکِ کارواں رکھّا

قدیم اور نو فقط آویزشِ فکر و نظر جس نے
خرد اور آگہی کو کشمکش کے درمیاں رکھّا

گلوں کی چاک دامانی مری آتش نوائی نے
گُلستاں میں عنادل کو مرا ہمداستاں رکھّا

○

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

محلِ فکر و نظر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ — نماءِ شمس و قمر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

سکونِ قلب و جگر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ — مقامِ اہلِ نظر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

متاعِ اہلِ خبر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ — جمالِ علم و ہنر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

سکوتِ شام سے تا نغمۂ سحر گاہی — ہے پُر سکون سفر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

دوای علّتِ قلبی و قالبی ہے یہ — دفاعِ خوف و خطر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

مشامِ روح معطّر ہے جسکی نکہت سے — سدا بہار شجر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

اسی میں خالقِ کونین کا جلال و جمال — ہے کس کو اس سے مفر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

کھٹن مقامِ محبّت میں ہے، وصال و فراق — ہے کس کا قلب و جگر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

ہے اسکا مخبرِ صادق محمّدِ عربی ﷺ — وہ شاہِ جنّ و بشر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

سلام آلِ محمّد پہ صد ہزار سلام — ہے کس کا قلب و جگر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

خُدا کی راہ میں ناموسِ دینِ حق کیلئے — ہوئے جو سینہ سپر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

کنشت و کعبہ و بتخانہ و کلیسا میں

زباں پہ شام و سحر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

سجا کر کس کی مہمانی کی خاطر لامکاں رکھا
شبِ معراج میں روح الامین کو ہمعناں رکھا
قدم ان کے ملائک ہر قدم پر چومنے آئے
سرِ افلاک حضرت نے قدم اپنا جہاں رکھا
شبِ اسریٰ میں خود اُنکی خدا نے میزبانی کی
محمدؐ کے لئے کوئی نہ پردہ درمیاں رکھا

تیرا غم مجھکو جاں سے پیارا ہے
زندگی کا حسیں سہارا ہے

درِ اقدس پہ جبہہ سائی نے
میری تقدیر کو سنوارا ہے

تیری عظمت سے کبریائی سے
منحرف ہو یہ کس کو یارا ہے

قلق و کرب و بے قراریٔ دل
تیری خاطر سبھی گوارا ہے

ہو کے پنہاں بھی دیدہ ور کیلئے
ذرّے ذرّے میں جلوہ آرا ہے

میری قسمت سلجھ گئی شیدا
الجھے گیسو کو جب سنوارا ہے

مرے قابو میں میرا دل نہیں ہے
یہ سنگ و خشت کا قائل نہیں ہے
ترا کعبہ ہے بتخانے سے کیا کم
اگر تو رونق محفل نہیں ہے

حسنِ عمل ہے یک قدم لغزشِ دل ہے یک نظر

شک و یقین سے نکل وہم و گماں سے گذر
مکر و ریا فریب ہے اس کے کرم پہ رکھ نظر
کارگہِ حیات میں لغزشِ یک نفس ہے موت
بھول طلسمِ روز و شب دیکھ اگر ہے دیدہ ور
محورِ مہر و ماہ بھی کب ہے قرار کا مقام
موت و حیات کا سفر صبر طلب دراز تر
ناز و نیازِ زندگی، سوز و گدازِ زندگی
عقل و خرد ہیں دم بخود عشق ہے اس سے باخبر
دیکھ لے بندۂ ہوس خوف و خطر ہیں پیش و پس
معرکۂ حیات میں چاہیے وسعتِ نظر

دل کی دھڑک دھڑک میں ہے بانگِ چہل کاروان

میری نظر نظر میں ہے رازِ حیات جلوہ گر

مال و منال پر کشش فکرِ مآل پُر حذر

امن و فساد یک قدم موت و حیات یک نظر

پیرہنِ حیات ہے دستِ جفا سے تار تار

کون ہے صاحبِ نظر، کس کو ہے فکرِ بخیہ گر

امرِ محال تجزیہ فکر و عمل کا آج کل

دخترِ رز ہے اک طرف، ایک طرف ہے ابنِ زر

دیکھ سنبھل کے چل ہے یہ جہانِ خیر و شر

حُسنِ عمل ہے یک قدم لغزشِ دل ہے یکنظر

بیم و رجا نجات ہے تکیۂ زہد پُرخطر

مرگِ دوام یک قدم، قرب و وصال یکنظر

گوشۂ عافیت میں ہے فکرِ غیور مُطمئن

اور جہانِ آز میں، محوِ جدال فکرِ زر

معرکۂ قدیم و نو، چشمِ خرد میں کچھ نہیں

یورشِ آگہی ہے ایک ایک ہے وُسعتِ نظر

دائرہ وجود میں میرا سجود کھو گیا

تیرے سخا و جود میں اُس کا نہیں کوئی اثر
مکر و فریب اہرمن سایہ فگن چمن چمن

مجھ کو غرورِ ما و من تو ہے بشیر میں بشر
عاشقِ کم نظر بنا تجھ میں اور مجھ میں فرق کیا

تیرا جنوں ہے جامہ در میرا جنون با خبر
کیا تیری کائنات میں حُسنِ عمل بھی ہے فریب

شیخِ حرم سے الاماں پیرِ مغاں سے الحذر
تیرے حریمِ ناز میں نذر کروں تو کیا کروں

میری نظر میں ہے فقط سوزِ درون و چشمِ تر
تیرے جلالِ حُسن سے پی گیا میں تھا کم نظر

یہ نہیں جائے سرزنش یہ ہے مقامِ درگذر

پ

(۲۲ - ۱۱ - ۱۹۸۲)

○

غمِ جاناں یہ مانا جاں گُسل[۳] ہے
متاعِ زندگی بیدار دل ہے
ترا گھر بھی اسی کے متصل ہے
کہو شیخِ حرم کیوں منفعل ہے

○

یہ دنیا بھی میری منزل نہیں ہے
وہ دنیا عشق کا حاصل نہیں ہے
وہاں پر گرمیٔ محفل نہیں ہے
اگر دل ہے تو دردِ دل نہیں ہے

○

کہا یہ موج نے ساحل سے بچکر
کہ تیرے قُرب کے قابل نہیں ہیں
ہوئی ہے تربیت طُغیانیوں میں
سکونِ بحر کے قائل نہیں ہیں

○

(۱۹۸۲ء)

گل بہ رویان وابسر گلچیں مباش
بے خبر از واردات دل مباش

نامہ خونیں بپیچن از سوز برق
زی بہ طوفاں کشتۂ ساحل مباش

بہر بالیدن ہلال عید شو
بہر کاہیدن مہ کامل مباش

جلوہ گاہ دوست گشتن در خود تلاش
از خود ای سر دیدۂ محمل مباش

(شیدا)

کارگاہِ حیات کے منظر

کارگاہِ حیات کے منظر
ہر کسی کی ہے اپنی حدِ نظر

عقل پر کس کے پڑ گئے پتھر
خاکداں کو سمجھ رہا ہے گھر

کتنے سورج ہوئے غروب یہاں
ہم نے دیکھے ہیں کتنے شام و سحر

کس میں ہے ہمّتِ برآ بھی
اب یہاں ہیں نئے نئے آذر

تشنہ لب کو نہ ایک گھونٹ نصیب
ٹوٹ جائیں یہ شیشہ و ساغر

راہبر کی تلاش بے مقصد
راہ بر ہیں بہت شریکِ سفر

وہ بلا نوش اُٹھ گئے سارے
میکدے میں تھی جن پہ اپنی نظر

طاقِ نسیاں کی بن گئیں زینت
مجھکو بھی تھیں کہانیاں ازبر

صُبح کا چاند اُس کا چہرہ زرد
کس کی آغوش میں رہا شب بھر

حُسن کی لن ترانیاں نہ رہیں
عشق بھی اب نہیں ہے سینہ سپر

کارگاہِ حیات وجہِ بقا
مجھکو رُکنے تو دیجئے دم بھر

میکدے کا بدل رہا ہے نظام
اگلے میکش ہیں سب چراغِ سحر

سوز و منظر

تیرے حلقۂ ادب میں ابھی زیرِ تربیت ہیں
وہ گدا کہ جانتے ہیں رہ و رسمِ کج کلاہی

(اقبالؒ)

پیشکش

ایک غلامِ کمترین یہ نذرِ عقیدت
اپنے آقائے نامدار سلطان العارفین
حضرت مخدوم شیخ حمزہ کشمیری
رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بکمالِ
عجز و انکسار پیش کرتا ہے ـــ

(شیداؔ)

(سنہ ۱۹۶۷ء)

احساسِ منظر

صُبح کا دلکش سماں یہ کوہسار — آبِ جو صحنِ چمن صوتِ ہزار

بدلیاں چھائی ہوئیں کہسار پر — ابرِ رحمت خیمہ زن گلزار پر

نغمہ زا بلبل ہے اور گل محوِ خواب — بج رہے ہیں ہر طرف ساز و رباب

آج سازِ درد پر گاتا ہے کون — یوں چمن والوں کو تڑپاتا ہے کون

اِس کی ہم آہنگ ہے اِک آبِ جو — نازنیں سیمیں بدن شیریں گلو

خفتہ ساحل کو جگا دیتی ہے یہ — آگ پانی میں لگا دیتی ہے یہ

آتی ہے رقصاں فرازِ کوہ سے — مضطرب فرطِ غم و اندوہ سے

آب ہے شرم و حیا سے آب ہے — کِس سے ملنے کے لئے بیتاب ہے

تابِ روئے ماہ اسکے آب سے — آب روئے مہر اس کے تاب سے

عشق سے آباد اس کا سینہ ہے — چشمِ بینا کے لئے آئینہ ہے

خار و خس آغوش میں لیتی ہے یہ
باغ کو رنگ و نمو دیتی ہے یہ

دور کس کہسار سے آتی ہے یہ
گرتی پڑتی ناچتی گاتی ہے یہ

ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے یہ
منزلِ مقصود تک جاتی ہے یہ

اس کا نغمہ بڑھ کے موسیقار سے
نالۂ نے سے رُباب و تار سے

چھیڑتی ہے کس لئے دلسوز راگ
جس سے میرے دل میں لگ جاتی ہے آگ

کم نظر سمجھے فسونِ آب و گل
اس سے ہیں آگاہ شیداؔ اہلِ دل

اس کے پنہاں سوز میں سازِ حیات
اہلِ بینش کے لئے رازِ حیات

(شیداؔ)

سوزِ منظر

صبح کا منظر یہاں ہر سو اداس — جذبۂ قلب و نظر ہیں وقفِ یاس

اس میں گریہ کا ہے اک طوفاں نہاں — تم سمجھتے ہو جسے آبِ رواں

اٹھا ہے کہسار سے ابرِ مطیر — کیا ہمیں جذبات دل تک ہیں اسیر

بدلیاں رحمت کی چھائی ہیں کہاں — دل کی امیدیں تو دل میں ہیں نہاں

ہے سلیقہ چرخِ ناہنجار کو — روکشِ دوزخ کرے گلزار کو

ابرِ رحمت ہو چکا خواب و خیال — اب تو جینا بھی ہوا ہے اک وبال

کہہ رہی ہے بلبلِ ناشاد ہے — گلستانِ آرزو برباد ہے

خوں فشاں صحنِ چمن میں چشمِ گل — دیکھ کر انجامِ کارِ جزو و کل

آج سازِ درد پر گاتے ہیں ہم — اور چمن والوں کو تڑپاتے ہیں ہم

دل کے تاروں پر ہے غم مضرابِ زن — سوزِ نغمہ میں ہے دوزخ کی جلن

آنسوؤں کے تار نغمہ سازِ دل — سوز جن کا ترجمانِ رازِ دل

ان کی ہم آہنگ جانِ کائنات — کامگاراں سے نہاں دردِ حیات

بیلِ اشکِ زندگی ہے آبِ جو | یا ضمیرِ آرزو کا ہے لہو
اس کا ساحل انحطاطِ ہوشِ دل | سرد پڑ جاتا ہے جس سے جوشِ دل
چشمِ گریاں اور آہِ درد و غم | آگ اور پانی ہوئے دونوں بہم
قلب کی پہنائی سے نوحہ کناں | چہرۂ گیتی پہ ہوتی ہے رواں
رقص اس کا پیہم اک آوارگی | فطرتِ جذبات سے بیچارگی
بے نیازِ غم شبِ دیجور میں | ہے رواں شوقِ ضیائے طور میں
اس سے ہے ناموسِ دل تابندہ تر | اس سے سعئ عرش میں رنگِ اثر
اس کے ہی دو قطرے مہر و ماہ ہیں | روز و شب اس سے تجلی خواہ ہیں
اس سے ہی قائم ہے ان کی آب و تاب | اس سے دائم ان کا ہے نورِ شباب
حسن وافرِ عشق اب نایاب ہے | آبِ جوئے ذوقِ دل پایاب ہے
کامگاریٔ عشق کی اب ختم ہے | نام داریٔ عشق کی اب ختم ہے
زندگی میں سوزِ پنہانی نہیں | روحِ درد و ذوقِ وجدانی نہیں
آرزوئے درد فریادی نہیں | دل میں ذوقِ غم کی آبادی نہیں
جو خلش کی زندگی تھی جستجو | مٹ چکی عالم میں اسکی آرزو
قصۂ پارینہ جوئے شیر ہے | روئے عشقِ یار بے تنویر ہے

آؤ شیدا عشق کا ماتم کریں
یہ جہان کاف دنوں برہم کریں

عشق پھرتا خانماں برباد ہے — سردسعیٔ تیشۂ فرہاد ہے

جس کے مِلنے کے لئے بیتاب تھا — آج اُس کے غم سے دل آزاد ہے

جانِ شیریں معنیٔ بیگانہ ہے — عشق وقفِ ماتمِ فرہاد ہے

عشق کی ہوتی عزاداری ہے آج — حسن محو نالہ و فریاد ہے

انتہائے ذوق ہے پابندِ غیر — روح پر فطرت کی کیا بیداد ہے

عشق عنقا باغ عالم میں ہُوا — دام بارِ بازوئے صیّاد ہے

میں بھی تو دیکھوں ذرا شیدا یہاں — کِس کا سینہ عِشق سے آباد ہے

عِشق رخصت ہو چکا محرومِ حال

سوزِ دل فریاد ہے فریاد ہے

(صاحبزادہ عبدالرحمٰن زکی)

ابرِ رحمت اب بھی ہے آفاق گیر

آدمِ خاکی ہوس میں ہے اسیر

راہ سے بھٹکا دیا ہے آز نے

حرص نے کوتاہئ پرواز نے

بھول راہِ دوست میں اپنا وجود

شاہدِ بینا و گل کارِ شہود

آج بھی ہے ابرِ رحمت کا نزول

آیۂ 'لاتقنطوا' کو تو نہ بھول

باغ میں یہ کہہ رہی ہے ہر کلی

اہلِ بینش سرِّ یزداں ہے جلی

بلبلِ شیریں بیاں با سوز و ساز

سن بیاں کرتا ہے اسرارِ مجاز

عاشقِ لیلےٰ ہے مجنون صفت

عارف باللہ و عشقِ حسنِ ذات

دل کے تاروں پر نہیں مضرابِ غم

عاشقی پر تو نے ڈھایا ہے ستم

بج رہے ہیں عاشقوں کے دل کے تار

ہر رگِ جاں ہے مری زُنّار دار

کفر و دیں سے عشق مجنوں بے خبر

ہے رموزِ دلبری سے بہرہ ور

آب و آتش کا جہاں ہو اتصال

زندگی ہے ایسی صورت میں محال

ہاں مگر مردِ خود آگہ کی نظر

خاکِ تیرہ کو بنا دیتی ہے زر

آگ پانی میں لگا دیتا ہے عشق

خفتہ جانوں کو جگا دیتا ہے عشق

حُسن ظاہر عشق ہے زیرِ نقاب

جس طرح دُرِّ عدن ہو زیرِ آب

آج کُلفت عشق میں سہتا ہے کون

عشق میں ثابت قدم رہتا ہے کون

زندگی میں حُسن سوزِ دل سے ہے

لطفِ منزل دوریِٔ منزل سے ہے

"قصۂ پارینہ جوئے شیر ہے"

زندگی کی کیا یہی تعبیر ہے

عاشقی میں جوئے خوں ہے زندگی

اے ذکی! فرطِ جنوں ہے زندگی

ہے خلش سے عاشقی محوِ تلاش

چاند تاروں نے کیا یہ راز فاش

تجھ کو شکوہ چرخ ناہنجار سے

اے ذکی! مجھ کو گلہ ہے یار سے

کیوں جہانِ کاف و نوں برہم کریں

عشق کو صورت گرِ عالم کریں

رازِ حسن و عشق کر دیں آشکار

برسرِ منبر نہیں بالائے دار

عاشقی ہے بے نیاز کفر و دین

گامزن اندر رہِ ملکِ یقین

عاشقی ہے زرد روی و سینہ چاک

بے نیاز زیست اور بیم ہلاک

وہ جلال الدّین مولانائے روم

پیرِ خیلِ عاشقاں بحر العلوم

معرفت کی ناؤ کا وہ ناخدا

با مروّت باخلوص و باخدا

تھا ضیائے شمس سے انوار گیر

وہ نوردانِ جنوں کا دستگیر

تھا جنونِ عشق میں وہ پختہ کار

کر گیا ہے رازِ ہستی آشکار

پاک طینت پاک دل روشن ضمیر

"کاروانِ عشق و مستی کا امیر"

سوز ہر دمساز نے میں بھر دیا

اہلِ دل پر آشکارا کر دیا

فہمِ ناقص سے رکھو تم دل کو دُور

ورنہ ہوگا عشق میں پیدا فتور

بے طلب بے رہبر و بے سوز و ساز

زندگی کا کھل نہیں سکتا ہے راز

کم نظر کم بار ہو جب خامِ عشق

بوالہوس عشّاق سے بدنام عشق
کیا کوئی ہے آج بھی ہم میں خلیل

بندۂ تسلیم مقبول جلیل
کو، دکر آتش میں کر دے اسکو گل

"از شمیم زُلفِ آں سُلطانِ گُل"
عشق میں رہتا ہے جو ثابت قدم

موت ترساں ایسے حر سے دمبدم
اپنا باغ آرزو رکھا ہے تر

میں نے دیکھ خون دل خونِ جگر
مرشدِ سرمند قدس سرہٗ وہ عالیمقام

تھا جہاں گیر آپ کا ادنیٰ غُلام
فرِّشاہی فقر کا فرماں گزار

اختیارِ جبر و جبرِ اختیار
کج کُلاہی کو شکست فاش دی

کب زبانِ حق بیاں اُن کی رُکی
ضرب کاری فرق استبداد پر

حق پرستی آپ کی حق بیں نظر

افسرِ شاہی بہ زیرِ پائے او
شانِ ملّت ہمّتِ والائے او

اے ذکی دورِ ہیں رازِ حیات
کھل نہیں سکتا ہے اندر شش جہات

راہبر اِس دور کے ہیں راہبر
کر "تلاشِ مردِ مومن مردِ حُر"

"ہمّتِ حُر با قضا گردد مسیر
حادثات از دستِ او صورت پذیر"

دامن اس مردِ خدا کا تھام لے
اور عشقِ مصطفیٰ سے کام لے
منزلِ مقصود تک پہنچائے گا
ہر مصیبت میں ترے کام آئیگا

حضرتِ سلطاں قدس سرہٗ مرا مولای عشق
وہ امامِ دیں کرم فرمائے عشق
نفس سے اپنے کیا جس نے جہاد
جس نے کی دیں پروری از اجتہاد

دستِ خیبر گیر ے قوّت پذیر
وہ چمن بندِ ریاضِ کاشمیر
زورِ حیدر بازوے مخدوم میں
جس کا شہرہ ہر دیار و بوم میں
ضربِ لا سے محکم و باطل شکن
غوثِ عہد و شیخِ شیخانِ زمن
مسند آرائے ولایت شاہِ دینؒ
معنوی فرزند ختم المرسلینؐ
لرزہ بر اندام باطل دیکھ کر
وابِ فقر و تاج ذکرِ پُر گہر
خاکِ در ہے کحلِ اربابِ نظر
مہرِ عالمتاب اِس سے دیدہ ور
اہلِ دل ہوتے ہیں در سے فیضیاب
بن کے جاتے ہیں یہاں سے آفتاب
دیکھ عصیاں سوز ہے ان کی نظر
تو بھی آ ہونا اگر ہے بہرہ ور
روز و شب کہتا ہے تیرا ہمسفر

درگہِ مخدومؒ پر با چشمِ تر

یک نظر بر حالِ شیما یک نظر

نقرۂ گوں ہے نظیرِ سلسبیل

ہے کسی کے روئے تاباں کی دلیل

اس کے ہر قطرہ میں پنہاں کائنات

دیکھ لے رازِ حیات اندر حیات

کُل شیٔ حی کا اس میں راز ہے

اس کے ہر پہلو میں سوز و ساز ہے

زندگی کی دیکھ لے گہرائیاں

ڈھونڈ اس کی وسعت و پہنائیاں

پرورش ہوتی ہے نَے کی آب سے

ساز میں ہے سوز اس مضراب سے

قطرۂ کم مایہ یم اندر کنار

رحمتِ حق حاملِ رنگ بہار

مضطرب ہے دور ہو کر اصل سے

یہ بہت گھبرا رہی ہے فصل سے

تیزی رفتار سے محشر خرام

اس کے ہر انداز میں اک قتلِ عام

"ہستی جوئے بجوئے گم شود

موجۂ نارے بہ نورے گم شود"

اے حسیں معصوم ننھی آبِ جو

کیوں پھرے سرگشتہ و آوارہ تو

جا کے اپنے بحرِ بے پایاں سے مل

از پئے تسلیم جاں جاناں سے مل

○

(شیداؔ)

قصیدۂ وردُ المُریدین کا ایک شعر

حال زارِ خاکیٔ بیچارہ پر کر اک نظر
جس نظر سے تیری، خاکِ تیرہ مثلِ زر ہوا

(عارف دہلوی)

حضرت علّامہ شیخ بابا داود خاکیؒ بو حنیفۂ ثانی کا حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہ قدس سرہٗ کے خلفا میں مقتدر مقام ہے۔ آپ کا تبحرِ علمی محتاجِ بیان نہیں۔ آپ کشمیر کے قاضی القضٰی کے منصبِ جلیلہ پر مدت تک فائیض رہے۔ دنیوی جاہ و جلال دربار داری اور صاحبِ منصبِ جلیلہ ہونے کے باوجود آخر کار جذبۂ الٰہی کی کشش میں حضرتِ مرشدِ کامل سلطان العارفین قدس سرہٗ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر ان کے ناصحانہ کلام سے اسقدر متاثر ہوئے کہ تارکِ دنیا ہو کر سلسلۂ مریدی میں منسلک ہو گئے۔ حضرتِ پیرِ روشنضمیر کی فیضِ صحبت اور نگاہِ کیمیا تاثیر نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ آپ ٹنگیال

موضع کھوہامہ میں چالیس چلوں کے لئے پیر روشنضمیر کی فرمان
کے مطابق خلوت نشین ہو گئے۔ اور فنافی الشیخ کے ربط سے
تارک رسم ورسوم اور علائق ننگ وناموس ہو گئے۔ تصوّف میں
بہت بلند مقام حاصل کیا۔ حضرتِ مرشدِ عالیمقام سے ارشادنامہ
حاصل کر کے مسند خلافت سلسلۂ سہروردیہ پر جلوہ افروز ہو کر تمام
عمر سلسلہ رشد وارشاد اور تبلیغ دین قیم میں سعی فرماتے رہے
علم وفضل اور شعر وادب کے لحاظ سے بھی آپ کا کشمیر کے علماء
میں ارفع مقام ہے۔ آپ نے حضرت رہبر کامل کی مدح میں فارسی
زبان میں قصیدۂ وردالمریدین اور اس کی مبسوط شرح ـــ
دستور السالکین تصنیف فرمایا۔ جس میں حضرت شیخ محمد ؒ
کے حالات حال وقال قلمبند کرنے کے علاوہ تصوّف اور سلوک
کے متعلق پوری وضاحت کے ساتھ مقامات سلوک اور اسکے
قواعد وضوابط کا بہترین دلکش انداز میں ذکر کرنے کے علاوہ
حضرت شیخ عالی مقام کے ریاضات، مجاہدات، مشاغل، ذہنی واردات
واقعات، روحانی مقامات اور شریعت نواز خدمات اور اپنے
مخلصانہ تاثیرات، انکشافات، قلبی واردات اور مرشد
ومرید کے معاملات فکر وتدبر کے بعد اہل استعداد وعقیدت

کو ذہن نشین کرنے کے لئے قلمبند فرمائے ہیں۔

اسی قصیدہ شریفہ کے آخری اشعار میں بکمالِ جذبۂ عقیدت مندی حضرتِ پیر کامل سے مندرجۂ بالا شعر ہیں۔ جو کہ قصیدۂ شریفہ کا ماحصل ہے ایک نگاہِ مرحمت اثر کی استدعا کی ہے حضرت خاکی نے دستور السالکین میں اس شعر کی شرح بیان فرماتے ہوئے سرخیل عاشقین و عارفین شیخ فریدالدین عطارؒ کی مثنوی منطق الطیر سے کچھ اشعار نقل کئے ہیں۔ جن میں استعارہ اور کنایہ کی زبان میں ہدہد کی زبان سے سلطان محمود غزنوی اور ایک کمسن ماہی گیر کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ اس نظم میں شدت احساس کے ساتھ طالبان راہِ خدا کے لئے مرشد کامل کی ضرورت اور تقدیر ساز نگاہِ مردِ مومن کے اثرات موثر انداز میں بیان فرمائے ہیں۔

میں نے اس نظم کا سلیس اردو زبان میں منظوم ترجمہ کیا ہے جو کہ میں ارباب عشق و عقیدت و وسعتِ قلب و نظر کو پیش کرتا ہوں۔

نظم

اِک پرندے نے یہ ہُدہُد سے کہا
کِس طرح تو ہم سے آگے بڑھ گیا

کِس طرح حاصل ہُوا ہے قربِ حق
کِسطرح سے مِل گیا ہم پر سبق

ایک جیسے جنس دونوں جانور
کس سے حاصل ہوگیا یہ شان و فر

ہُدہُد خوش پر ہوا یوں ہمکلام
مِل گیا چشم سلیماں سے مقام

کب ملا ہے یہ بہ صرف مال و زر
ہے سلیماں کا یہ سب شرفِ نظر

مل نہیں سکتی یہ دولت زہد سے
ہے سبق ابلیس اس بد عہد سے

ترک طاعت بھی رہِ حق میں ہے سم
مجھ کو ہے معبودِ برحق کی قسم

ایک لمحہ بھی نہ تو طاعت کو چھوڑ
اس طرح ابلیس کی گردن مروڑ

عمر ساری ہو اطاعت میں بسر
تاکہ پڑ جائے سلیماں کی نظر

ہوگیا حاصل مجھے جب قربِ شاہ
کیمیا تاثیر ہے اس کی نگاہ

سن لے اِک دن شاہ محمود از قضا
ہوگیا تھا اپنی لشکر سے جُدا

تھا اکیلا جا رہا توسن سوار
دیکھتا آب روان و سبزہ زار

ہوگیا شہ کا لبِ ساحل گذر
ایک لڑکے پر پڑی اس کی نظر

اس سے پوچھا غمزدہ کیوں ہے عزیز
تجھ پہ کیا گذری ہے طفل باتمیز

باادب بولا امیرِ باہنر | ہم ہیں بھائی سات کمسن بے پدر

مادرِ غمخوار ہے معذور و نزار | بے زر بے مایہ اور بے خویش و یار

روز کرتا ہوں میں مچھلی کا شکار | شام تک کرتا یہاں پر انتظار

مچھلیاں پھنستی ہیں جب کچھ جال میں | ہے غذا ہر شب یہی ہر حال میں

شاہ بولا آ ذرا میرے قریب | تو ہے طالع ور نہیں ہے بدنصیب

خوش نصیب آ جا تیرا غمخوار ہوں | آج میں تیرا شریکِ کار ہوں

ہو گیا راضی وہ طفلِ ہونہار | جال ڈالا شاہ نے بہرِ شکار

غزنوی تھا جانبِ ساحل کھڑا | جال پر جب پرتوِ شاہی پڑا

آ گئی اُس روز مچھلی بے شمار | جال میں پھنس کر ہوئیں شہ کا شکار

مچھلیاں دیکھیں جو لڑکے نے کثیر | سو سے زیادہ جال میں اسکے اسیر

تھا تحیّر میں میری قسمت کہاں | میں نے کب دیکھیں ہیں یہ خوش بختیاں

شاہ بولا تجھکو ہو معلوم اگر | آج ساجھی کون ہے تیرا مگر

کون تیرا آج ماہی گیر ہے | میرا رتبہ ہے تیری تقدیر ہے

طفل بولا اپنا حصّہ لیجئے | مجھکو اپنی نصف مچھلی دیجئے

شاہ بولا رکھ لے سب اے ہونہار | کل کا لیجاؤں گا میں سالم شکار

"صید ما فردا تو خواہی بود و بس | لاجرم من صید خود ندہم بہ کس"

آ گیا واپس شہِ عالی خصال | دل میں آیا کل کے ساتھی کا خیال

محل میں اس کو بُلایا شاہ نے
مردِ خود آگاہ عالی جاہ نے

کو دکِ مسکیں ہُوا جب سرفراز
تخت پر بیٹھے وہ محمود و ایاز

ہر کوئی بولا گدائے ریزہ چین
کس طرح سے ہو گیا مسند نشین

غزنوی بولا یہ عزّت دار ہے
یہ میرا کل کا شریکِ کار ہے

ہے قبول شاہ یہ، کب ہے یہ رد
تجھ سے کہلاتا ہے یہ رشک و حسد

طفل سے لوگوں نے پوچھا یہ سوال
کس طرح بدلا تیرا آشفتہ حال

بولا غم رخصت ہوا ہوں شاد کام
چشمِ صاحبدل نے بخشا ہے مقام

خاکی طفلِ طریقت پیشِ شاہ
شیخ دیں سے آرزو مند نگاہ

بیکس و بیچارہ یہ مردِ حقیر
زیرِ ظل و سایۂ دامانِ پیر

—— ٥ ——

کیمیا تاثیر چشمِ پیر ہے
سلسلہ زنجیر در زنجیر ہے

بھولے بھٹکے رہروں کا دستگیر
مخلصو تم تھام لو دامانِ پیر

ہے یہاں آوازِ کشِ شاہ و فقیر
حضرتِ محبوبُ العالم دستگیر

مخلصوں کے دل پہ جس کا راج ہے
اک نگاہِ مرحمت معراج ہے

خاکئ مقبول افلاکی بنا
کیمیا وہ پیکرِ خاکی بنا

جاں بلب آمد ترا ای تشنہ لب
آبِ حیواں از درِ سلطاں طلب

کب گیا کوئی یہاں سے بے مرام
حضرتِ مخدوم کا ہے فیضِ عام

حسبِ استعداد یابد ہر کسے — خوشۂ یا خرمنے ہر مخلصے

خاک در ہے کحلِ اربابِ نظر — مہرِ عالم تاب جس سے دیدہ ور

اہلِ دل ہوتے ہیں در سے فیضیاب — بنکے جلتے ہیں یہاں سے آفتاب

دیکھ عصیاں سوز ہے اُن کی نظر — تو بھی آنا ہو نا اگر ہے بہرہ ور

ہے مجھے وردِ زبان شام و سحر — درگہِ مخدوم قدس سرہٗ پر باچشمِ تر

یک نظر بر حالِ شیدا یک نظر

(۱۷ رشوال سنہ ۱۳۹۶ھ)

در سینہ سوز و ساز نہانم بجائے دل
در بارگاہِ دوست رسانم ندائے دل
یار است دلنشین و دل آرام و دلقرار
ہرگز مبند بر درِ اغیار پائے دل

ندائے دل

سوزِ سنطور ہوں نہ نغمۂ ساز
میں ہوں اپنے ضمیر کی آواز

شیدا

تیری رحمت کیلئے دامن کو پھیلاتا ہوں میں

جب کبھی ہنگامۂ ہستی سے گھبراتا ہوں میں
دور دنیائے تحیّر میں نکل جاتا ہوں میں

رات جب تیرے حریمِ ناز پر جاتا ہوں میں
تجھ کو پاکر اپنی دُنیا بھول کر آتا ہوں میں

جب تیرے ابرِ کرم کو خیمہ زن پاتا ہوں میں
تیری رحمت کے لئے دامن کو پھیلاتا ہوں میں

ہے فریبِ آب و گل کیا دشمنِ ہوش و خرد
دامنِ دل ہر جگہ کانٹوں سے اُلجھاتا ہوں میں

تیری ستّاری کے صدقے جو ہے میری پردہ دار
پوشش ہر رنگ میں عُریاں نظر آتا ہوں میں

ہے تری بندہ نوازی بندہ پرور دستگیر
ورطۂ فہم و فراست میں جو بہہ جاتا ہوں میں

تابع فرماں ہے تیرا یہ نظامِ کائنات
چاند تاروں کو بھی مصروفِ سفر پاتا ہوں میں

تیری دنیائے عمل سے ہے زمانے کو قرار
ذرّے ذرّے میں تو پیغامِ عمل پاتا ہوں میں

سرحدِ ادراک تک جاتی ہے عقلِ نارسا
اُس سے آگے سوزِ دل کو راہبر پاتا ہوں میں

یا الٰہی واسطہ تجھکو رسولِ پاک صلعم کا
رحمۃٌ للعالمین کا سیّدِ لولاک کا

اب قبائے آدمیّت ہو گیا ہے تار تار
رحم کر بندوں پہ اپنے ای میرے پروردگار

اے تری ہستی بلند۔ جرم و خطا کی پردہ پوش

اے تری دعوتِ کرم امن واماں کا اذنِ عام

اے تری شانِ لطف ہے بخششِ خاص کی نوید

اے تری ذات پاک ہے رحمتِ عام کا پیام

(ملی اختر حیدرآبادی)

نعتِ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم

عرضِ حال

مضرابِ درد سے ہے نوا سنج سازِ دل
ہے مایۂ حیات ہمیں سوز و سازِ دل
چلتے ہیں آج کہنے کو آقا سے رازِ دل
محرابِ عشق میں ہے سجودِ نمازِ دل

کرتے ہیں آج خواجۂ یٰسین سے عرضِ حال
مدت سے دل ہے گردشِ گردوں سے پائمال

مدّاحیٔ سکندر و دارا و جم غلط
دہلیز بوسیٔ کئے داہلِ کرم غلط
اہلِ جہاں سے رکھتے ہیں امّید ہم غلط
ہے شکوۂ زمانہ و جور و ستم غلط

ہے چشمِ لطف ہم کو رسولِ کریمؐ سے
ہیں ضامنِ نجات زمانہ کے بیم سے

پیشِ نظر ہے عہدِ جہالت کا وہ عرب
ڈوبی ہوئی تھی شرک و ضلالت میں قوم سب
جنگ و جدل میں رہتے تھے مصروف بے سبب
رکھتے تھے پوجنے کے لئے بیشمار ربّ

تھا ابرہہ کے زیرِ قلمرو خدا کا گھر
ہر سو سے لوٹ مار تھی برپا تھا شور و شر

تھے جور و ظلم و رشک و شرارت میں سارے مست
بُت گر تھے بُت تراش تھے سارے تھے بُت پرست
کوئی نہ حق طلب تھا کوئی تھا نہ حق پرست
غافل تھے بھول ڈالے تھے پیمانہ الست

ہر سو بتوں کا دور تھا ادیان تھے کفر زاد
ساری زمیں حجاز کی تھی مزرعِ فساد

تھا نفس پروری کا پرستار ہر نفس
کوئی تھا بندِ زر تو کوئی بندۂ ہوس

تھی اُن کی رہبری کی بھلا کس کو دسترس
خوف و خطر تھے رنج و مصائب تھے پیش و پس

اعمال تھے کہ یہ تو کردار مسخ تھے
پیماں جو کر چکے تھے رسولوں سے فسخ تھے

آیا جو بحرِ لطف و کرمِ حق کا جوش پر
پیدا ہوا قریش میں وہ نازشِ بشر

پرتو فگن تھا مہرِ رسالت پہ بحر و بر
جب مطلعِ حجاز سے آنے لگا نظر

وہ آیا گمرہوں کو سنانے پیامِ حق
پھر آگیا عرب کی زبانوں پہ نامِ حق

بتخانۂ عرب میں تزلزل ہوا بپا

لائے جو اپنی قوم میں پیغامِ کبریا
دینے لگے وہ دعوتِ اسلام برملا
تھے ہر طرف سے درپئے آزار اقربا

ہر سو تُلے ہوئے تھے شرارت پہ اہلِ شر
تھا اُن کا آسرا صرف اک ذاتِ پاک پر
غرا گرا، منات کو اک زلزلہ ہُوا
آوازۂ اذاں کا عجب غلغلہ ہُوا
پیدا دلوں میں جوش ہُوا ولولہ ہُوا
بے حوصلہ حجاز بھی با حوصلہ ہُوا

اوجِ عرب پہ مہرِ رسالت ہُوا بُلند
پھر بتکدہ میں نام خدا کا ہُوا بُلند

تھی ختم اک عرب پہ فصاحت کی کائنات
وہ رجز وہ قصیدے وہ اُن کے تلازمات
دیوارِ کعبہ پہ تھے لگے سبعہ مُعلقات
یعنی وہ کر چکے تھے فصاحت میں سب کو مات

لایا جو ساتھ اُمّی گویا کلامِ حق
فاضل فصیح ہو گئے غرقاب شرم سب

برپا ہُوا تمام عرب میں اِک انقلاب
جب آ گئے حرا سے سوی قوم آنجناب
آوازِ حق سے ہو گئے بیدار محوِ خواب
پہلے ہوئے جناب ابوبکر بہرہ یاب

ایمان لائے قولِ رسالتمآب پر
بے دعویٰ و دلیل خدا کی کتاب پر

سارے قبیلہ دار تھے آمادۂ جفا
اللہ کے رسول کے اغیار آشنا
مردوں کا مشکلات میں ثابت قدم رہا
لیکن رہا ہے آپ کا دورِ کام اتحاد

بوجہل و بولہب کی دل آزاریاں بھی دیکھ
صدّیق باصفا کی وفاداریاں بھی دیکھ

منکر تھے دینِ پاک کے اقرار کر گئے

راہِ رضا میں خم سرِ تسلیم کر گئے

آخر خدا کی راہ میں لڑ لڑ کے مر گئے

کتنے ہوئے شہید ہزاروں کے سر گئے

چرچا ہوا عرب میں رسولِ امین کا

باطل فرار غلبہ ہوا حق کے دین کا

غارت گری و بغض و عداوت کو بھول کر

انصاف شیوہ ہو گئے جتنے تھے اہلِ شر

قربان کر چکے وہ دل و جان و مال و زر

راہِ خدا میں حضرتِ باری کے نام پر

غازی لڑے مرے مگر اسلام کیلئے

جیتے تھے بیشمار اسی نام کے لئے

وہ فلسفہ، وہ عقل، وہ حکمت، وہ علم و فن

وہ دانش و کمال ادب جرأتِ سخن

یکتا ہے روزگارِ فصاحت میں مرد و زن

مانے ہوئے ہیں ان کے کمالات اہلِ فن

رحمت تھے لُطفِ خالقِ اکبر تھے آنجناب

وہ جاہلِ زمانہ ہوئے جن سے بہرہ یاب

صحرا نورد، اہلِ جفا، بادیہ پسند

خانہ بدوش، رہزن دیر قوم بُت پرست

قانونِ کبریا پہ ہوئے کل وہ پای بند

مسدود راہِ فتنہ، در ظلم و جور بند

شیرازۂ حیات نہامدّت سے مُنتشر

یکجا کیا وہ خواجۂ بطحا نے آکے پھر

وحشی مزاج، سنگدل اور اہل کیں عرب

بے درد، اہلِ بغض وہ صحرا نشین عرب

بے دیں تھے لطفِ حق سے ہوئے اہلِ دیں عرب

بے درد ہوکے ہوگئے درد آفریں عرب

دلدار ہو گئے جو دِل آزارِ وقت تھے
سردار ہو گئے جو سرِ دارِ وقت تھے

غیرت میں بے مثال عرب فرد فرد تھے
غیور عورتیں تھیں جوانمرد مرد تھے
عفّت پہ جانثار وہ صحرانورد تھے
دیکھے ہوئے زمانہ کا سب گرم و سرد تھے
سمجھے ہوئے تھا اسکو عرب جنگ و جدل
حاصل ہے آج جس پہ زمانے کو افتخار

تھے دوسرے رفیقِ نبی حضرتِ عمرؓ
جن سے ملی نظامتِ حکومت کو شان و فر
ممتاز حرب و ضرب کیاست میں مقتدر
حق بین و حق شناس حق آگاہ و حق نگر

فتح و ظفر ہے قوّتِ بازو میں آپکے
تلتا تھا عدل و داد ترازو میں آپکے

شک و نفاق و شرک سے نفرت پذیر قوم
داد و دہش میں ایک صغیر و کبیر قوم
مہماں نوازیوں میں عجب بے نظیر قوم
قربان اُن پہ آپ سا ہو جن کا میر قوم

کرتے تھے آپ وعظ ہر اک بات کیلئے
اکثر سبق دئے تھے ساوات کے لئے

وہ کانِ بذل و جود، وہ عثمانؓ با حیا
وہ مصدرِ فیوض وہ سالار و پیشوا
وہ جامعِ قرآن وہ مقبولِ کبریا
وہ منبعِ علوم وہ سرچشمۂ غنا

اللہ کے رسولؐ سے کرتے تھے سخت پیار
دولت سے بے نیاز کیا فقر اختیار

ہے نورِ عین شاہِ مزّمل فتا علی کرم
وہ مفخرِ وجود، وہ شیرِ خدا، علی کرم

ہمنامِ کبریا شہِ مشکل کشا علیؓ
وہ شانِ لافتیٰ درِ خیبر کشا علیؑ

اعدائے دیں سے آج ہے پھر کارزار گرم
لِلّٰہ آئیے گا اٹھانی ہے ورنہ شرم

ہے آج تیری اُمّتِ غمگیں کا حال اور
مرعوبِ انقلاب زمانے کی چال اور
اعدائے دیں نے ہمکو کیا پائمال اور
اعمال اپنے باعثِ رنج و ملال اور

جور و جفا ہے شور ہے کہرام ہر طرف
ناپید صُبح ، زیرِ نظر شام ہر طرف

بارِ گنہ سے ہم ہیں گرانبار یا نبیؐ
ہیں روسیاہ اور سیہ کار یا نبیؐ
اک دوسرے کے درپئے آزار یا نبیؐ
تیرے بغیر کون ہے غمخوار یا نبیؐ

شاہا خراب اُمّتِ خود را عنایتے
گم کردہ راہِ دینِ متیں راہ دلیتے

ہم منفعل ہیں اور نگوں سار یا رسولؐ
آئے ہیں لیکے دیدۂ خونبار یا رسولؐ
ہم میں نہیں ہے جرأتِ گفتار یا رسولؐ
ہر سرزنش کے ہم ہیں سزاوار یا رسولؐ

کوئی نہیں ہے یار و مددگار یا رسولؐ
رحمت کے عفو کے ہیں طلبگار یا رسولؐ

سرخیلِ مرسلین شہنشاہِ بحر و بر
انگشتِ تابناک شگافندۂ قمر
کحلِ نظر ہے اہلِ بصیرت کو خاکِ در
برحالِ خستہ حال نظر — از کرم نظر

تیرے حریمِ ناز تک آؤں میں سر کے بل
میری زباں پہ مدح میں تیری ہو یہ غزل

نعتیہ کلام

مدینہ کی رنگیں بہار اللہ اللہ — جلالت نشاں پُر وقار اللہ اللہ

جسے شاہِ لولاک نے گھر بنایا — یہ ماضی کا آئینہ دار اللہ اللہ

ہے منزل بہ منزل گُلستاں بداماں — یہ رشکِ ارم رہگزار اللہ اللہ

رسولِ خدا کی یہ محبوب نگری — نبیؐ کی یہ جائے قرار اللہ اللہ

یتیموں کو جس نے نوازا کرم سے — غریبوں کا وہ غمگسار اللہ اللہ

تہِ آستیں جسکے دریائے رحمت — شفاعت نشاں فیض بار اللہ اللہ

سرِ لامکاں جسکی پہنچی سواری — وہ کونین کا افتخار اللہ اللہ

ابوبکرؓ و فاروقؓ و عثمانؓ و حیدرؓ — نبیؐ کے ہیں یہ دوستدار اللہ اللہ

مکرّم معظّم ہیں یارانِ سرور — رسولِ خداؐ پر نثار اللہ اللہ

مدینہ کے باسی ہیں خلقِ مجسّم — سعادت نشاں باوقار اللہ اللہ

٭

یہ دربارِ خیرالانام اللہ اللہ — یہ عشّاق کا اژدہام اللہ اللہ

مدینہ کی گلیاں محمّدؐ کی نگری — زباں پر درود و سلام اللہ اللہ

ہیں ضو ریز ہر سمت انوارِ رحمت — یہ منظر یہ عالی مقام اللہ اللہ

محمّدؐ محمّدؐ زباں پر ہے ہر دم

یہ کتنا ہی پیارا ہے نام اللہ اللہ

کشمیر کو ہے موئے مقدس کا سہارا

اے پیکِ صبا اُن سے کہو جا کے خدارا

اُمّی لقبا، سرو قدا، مُصحف عذارا

گلزار خدا، سرو قدا، جانِ بہارا

اُمّت کو تری، نام ترا جان سے پیارا

اے جانِ جہاں میں ترے اعجاز کے صدقے

تھا چاند کو شق ہونے کا بس ایک اشارا

بے یار و مددگار ہیں کس نام پہ تیرے

ہے اپنے سفینے کو سمندر میں اُتارا

گرداب میں کشتی ہے بہت تیز ہے دھارا

امواجِ حوادث ہیں نہ ساحل نہ کنارا

ہر سو سے گھٹا ٹوپ اندھیرا ہی اندھیرا

ہر سمت سے یورش ہے ہیں ابلیس صف آرا

اے خواجۂ کونین ترے دستِ کرم نے

سو بار یہ ڈوبی اسے سو بار اُبھارا

آلام کا طوفان ہو یا خوف کے بادل

ہو چار طرف کتنا ہی پُر ہول نظارا

ہم پر کبھی آنچ آ نہیں سکتی ہنیں واللہ

یہ ہو نہیں سکتا ہے مشیّت کو گوارا

ہے مجھ کو تری گیسوئے والیّل کی سوگند

کشمیر کو ہے موئے مقدّس کا سہارا

مُجھکو بھی تری مدح کا بخشا گیا اعزاز

شیدا کی مُقدّر کا بھی چمکا ہے ستارا

ہے حاصلِ حیات رسولِ خدا کی ذات

تسکینِ کائنات، رسولِ خداؐ کی ذات

ہے حاصلِ حیات، رسولِ خداؐ کی ذات

آیاتِ بیّنات رسولِ خداؐ کی ذات

تکمیلِ ممکنات رسولِ خداؐ کی ذات

وہ کانِ بذل و جود و نیسانِ مرحمت

وہ جانِ التفات رسولِ خداؐ کی ذات

اللہ بھی ہے ایک رسولِ خدا بھی ایک

کیا بات میں ہے بات رسولِ خداؐ کی ذات

اسرا کی رات میں وہ نظر باز جزو کُل

محوِ مشاہدات رسولِ خداؐ کی ذات

اِک پرتوِ صفات سے بیہوش ہے کلیم
محوِ تجلّیاتِ رسولِؐ خدا کی ذات

آشوبِ روزگار سے شیدا نہ ہو ملول
ہے ضامنِ نجات رسولِؐ خدا کی ذات

روح الامین ہے حلقہ بیرونِ در جہاں
ہیں ماورائے نقش نبیؐ کے قدم وہاں

تیرا طالب ہے خُدا تو ہے خدا کا مطلوب

تیرا عاشق ہے خدا تو ہے خدا کا محبوب
تیرا طالب ہے خُدا تو ہے خدا کا مطلوب

پردہ میں سامنے بے پردہ خدا کو دیکھا
چشمِ انسان سے جو ہے روزِ ازل سے محجوب

اپنے دامن میں اُسے رحمتِ یزداں لیگی
جو بھی ہو اُمّتِ مرحوم سے تیری منسوب

ختمِ مُرسل تیرا ادنیٰ سا غلاموں کا غلام
کسی فرعون کی صولت سے نہ ہوگا مرعوب

ذاتِ اقدس تری نیسانِ عطا بحرِ کرم
تری اُمّت کو یہ سرمایۂ تسکینِ قلوب

فقر کو تو نے دیا درسِ جہاں بانی کا
زندہ رہنے کے سکھائے ہیں ملل کو اسلوب

جس سے خوشنود ہے تو وہ ہے خدا کا مقبول

جس سے ناراض ہے تو وہ ہے خدا کا مغضوب

میں قدم چھوٹ نے پہنچوں جو دبا قدس تک

مژۂ تر سے بناؤں ترے در کا جاروب

خطِ سبز اور لبِ لعل کا شہرہ سُن کر

گِر گیا حُسن کے بازار میں پورِ یعقوب علیہ السلام

اے نسیم صبحگہ جا سوئے بطحا با ندم

اے نسیمِ صُبحگہ جا سوئے بطحا با ندم
با ادب با ہوش دل با چشمِ گریاں سحدم

شاخِ گُل کی سرسراہٹ ہر طرف ہو نغمہ ریز
ہر قدم پر پھوُل جھُک جھُک کے ترے چومیں قدم

اُس درِ اقدس پہ رکھکر سر پس از عرض سلام
عرض کرنا میری جانب سے، نبیِؐ محترم

عُذر خواہی سے تری بخشش پہ مائل ہو گیا
حق تعالیٰ عاصیوں کے حق میں یہ شانِ کرم

اک نگاہِ لُطف سے بدلا نے زمانے کا نظام
چرخِ کج رفتار کے نکلے جو سارے پیچ و خم

مشفقِ انسانیت، کانِ عطا، ختمِ رُسُل
خواجۂ کونین محمدؐ مصطفیٰؐ شاہِ اُمم

کفر کی تاریکیوں میں مشعلِ نورِ ہُدا

کِس نے روشن کی ہے کفّار کے ظلم و ستم

ہیں ترے دہلیز کے جاروب کش کسریٰ و کے

اور ترے دربار کے دربان ہیں خاقان و جم

لیلۃُ المعراج میں تیرا عروج بے مثال

ساتھ جب روحُ الامیں لائے براقِ تازہ دم

ہادیٔ برحق شفیعِ عاصیاں سردارِ کُل

محسنِ اعظم یتیموں کا سہارا ذُو الکرم

زیبِ سر تاجِ لعمرک حُسن میں ہے لاشریک

سرورِ دین، مخزنِ خلقِ عظیم و خوش شیم

اے نبیؐ ہاشمی بحرِ سخا ابرِ کرم

جا کے میں کس سے کہونگا داستانِ دردِ غم

مجھ کو اُمّیدِ شفاعت ہے، ترے دربار سے

مہرِ مادر کی طرح کب ہیں خطاپوشی میں کم

یا شفیع المذنبینؐ برحالِ زارم یک نظر

منفعل ہوں ہے ندامت میں سرِ تسلیم خم

اے شہنشاہِ دو عالم دافعِ رنج و الم

رحمۃً للعالمین ماہِ عرب مہرِ عجم

میرے اعمال سیہ اور تیرا شیوہ عفوِ عام
میرا دامانِ تہی سرکار کا دستِ کرم

تیری بعثت یا نبیؐ ہے رحمت و تکمیلِ دین
ہے خدا کا آدمیّت پر یہ احسانِ اتم

اِک نگاہِ مرحمت سے ملگئی کامل شفا
میرے دردِ لا دوا کو اَی طبیبِ مشفقم

قلب کی تاریکیوں میں عشق سے تیرے فروغ
عارضِ والفجر کی روئے منوّر کی قسم

قرب تیرا ہر زماں میں ضامنِ تسکینِ دل
تجھ سے دوری قوم و ملّت کیلئے مانندِ سم

یہ تری ذرّہ نوازی کا سراسر فیض ہے
ورنہ کیا جرأت کہ مجھ سے مدح تیری ہو رقم

عاشقِ رسولؐ

شاعرِ مشرق مُفکّر، باخبر دانائے راز
لیکے آیا تھا ازل سے جو دلِ پُرسوز و ساز

آشکارا کر دئے اِنساں پہ اَسرارِ خودی
خود شناسی خود نگہداری ہیں آثارِ خودی

ہے خودی سے زندگی اک بحرِ ناپیدا کنار
جس کے سینے میں تلاطم اور طوفان بیشمار

اے حکیمِ اُمّت اے دانشورِ صاحب نظر
پھر چمن میں آئیگا کیا تجھ سا کوئی دیدہ ور

نغمہ پرور سازِ ہستی ہے ترے مضراب سے
تو نے سوتوں کو جگایا ہے طلسمِ خواب سے

اے امیرِ ملکِ درویشی فقیرِ بے گلیم

تیرے اعجازِ سخن سے ہے دلِ خارا دو نیم

تو نے صف آرا کیا جبّار سے مجبور کو

تو نے بخشا حوصلہ محکوم کو مزدور کو

تو نے قوموں کو دیا احساسِ اسلوبِ حیات

تو نے سمجھایا ملل کو خوب و ناخوبِ حیات

شاعرِ مشرق سے کہہ بادِ صبا میرا سلام

حق تعالیٰ سے کیا بندوں کو جس نے ہمکلام

جس کو یہ رُتبہ ملا عشقِ رسولِ پاکؐ سے

رحمۃً للعالمیں شاہنشہِ لولاک سے

وہ رسولِ ہاشمیؐ وہ ابرِ نیسانِ حیات

وہ غریبوں کا سہارا اور جانِ التفات

جس کی چشمِ لطف نے قطروں کو دریا کر دیا

بے نوا کو با نوا بندوں کو مولا کر دیا

دشمنوں کو عفو کا پیغام رحمت نے دیا

قُم باذنی نے مریضوں کو مسیحا کر دیا

جس کے قدموں پر گرا ہے قیصر و کسریٰ کا تاج
ہے رہینِ مرحمت انسانِ کامل کا سماج

اُمیِّ گویا، حبیبِ کبریا، ختمِ رُسل
شافعِ محشر محمدؐ مصطفیٰؐ سردارِ کُل

اُسکے مدّاحوں میں جب لکھا گیا شیداؔ کا نام
اُسکی چشمِ فیض سے رخشندہ ہیں میرے صبح و شام

خانہ زادِ خدا سلام علیک

خانہ زادِ خدا سلام علیک — وارثِ انبیاء سلام علیک
مظہر لا فتیٰ سلام علیک — دستِ خیبر کشا سلام علیک
شاہِ مُلکِ ولا سلام علیک — ماہِ برجِ صفا سلام علیک
ماہِ خلق قبلۂ حسنین — کعبۂ اتقیا سلام علیک
درگہِ علم و مخزنِ اسرار — مرجعِ اصفیا سلام علیک
غازئ دین حیدرِ کرّار — ضیغمِ کبریا سلام علیک
تیرا مدّاح خالقِ اکبر — اور رسولِ خدا سلام علیک
تیرا منبر ہے دوشِ پیغمبر — مرحبا مرحبا سلام علیک
میرے آقا کے محترم آقا — میرے مشکل کشا سلام علیک
قبلۂ اہلِ حال و اہلِ کمال — رہبر و رہنما سلام علیک

تیری اولاد پر صلوٰۃ و سلام
روز و صبح و مسا سلام علیک

ہے یزیدی قوتوں کو موت پیغامِ حسینؑ

قوّتِ اسلام ہے ہر عہد میں نامِ حسینؑ

سلام آلِ نبی پر ہزار بار سلام
بلند جنکی شہادت سے پرچمِ اسلام

وہ سرفروش وہ عاشق وہ حریّت کا امام
سلام اُس پہ سلام اُس پہ صد ہزار سلام

یہ آویزشِ حق و باطل یہ یومِ کرب و بلا
بھلا سکیگا نہ ہم کو یہ گردشِ ایّام

نہیں ہے ایک بھی محسن کشی کی ایسی مثال
خدا پناہ کہ اُمّت ہو موردِ الزام

نذرِ عقیدت

آسماں کو آستاں بوسی پہ تیری ناز ہے

ذرّہ ذرّہ اس چمن کا مائلِ پرواز ہے

صبح تیرے آستان پر آکے تھراتا ہے مہر

شام تیرے سنگِ در کو چوم کر جاتا ہے مہر

دید تیرے آستاں کی اک نویدِ عید ہے

اس زمیں کا ذرّہ ذرّہ رشکِ خورشید ہے

کوہ ماراں جس کو حاصل نعمتِ دیدار ہے

کوہِ سینا کی طرح یہ بھی تجلّی زار ہے

شانِ محبوبی امانت دارِ رازِ حیدری کرم

ہے تری ہر بات میں پنہاں گدازِ حیدری
آستانہ ہے یہ فرزندِ رسولؐ پاک کا
عشق رگ رگ میں ہے جسکی سیدِ لولاک کا

سیرتِ اقدس تری سرتا بہ پا اسلام ہے
دلنشیں نغمہ ترا توحید کا پیغام ہے

تیری خاکِ در سے اک خاکی بھی افلاکی ہُوا
بارک اللہ کیمیا وہ پیکر خاکی ہُوا

سنگ ریزوں کو ترے الطاف نے زر کر دیا
بیدلوں کو تیری ہمت نے دلاور کر دیا

کیا بتاؤں کیا مزا الفت کی مایوسی میں ہے
آبِ حیواں کی طراوت آستاں بوسی میں ہے

ہے ترے دربار سے درماں طلب بیمار دل
ہمسرِ سیماب ہے میرا صبیت زار دل

ایسی دنیا میں نہیں کوئی مہیا جای عشق
ہے یہاں مرقد نشیں شیدا ترا مولای عشق

ملتِ بیضا سے قائم تجھ سے ای سلطانِ دین

ہے تری زنجیرِ در میرے لئے حبلُ المتین

حشر برپا دل میں ہے شیدا مگر خاموش ہے

آج پہلو میں عقیدت مندیوں کا جوش ہے

دامنِ امید پھیلائے ہُوئے آیا ہُوں میں

داستانِ درد اپنی پیشکش لایا ہُوں میں

فارسی منظومات

۷۸۶

زِمشتِ غُبارے فلک شرمسارے

لبِ جوئبارے بہ زیبا نگارے — کنارے لبِ جو بہ او ہمکنارے

شبِ ماہتابے و ایں طُرفہ آبے — بیا ساقیا دہ شرابِ خُمارے

بہر مرغزارے بود مُرغ زارے — ہزارے، تدروے و درّاج سارے

رواں آبشارے بہ صد اضطرارے — نہ او را قرارے نہ ما را قرارے

بہ صحنِ چمن لالۂ شعلہ کارے — چو شمع فروزاں بہ شب ہائے تارے

بزیرِ چنارے بُتِ گُلعذارے — لبِ آبِ جو نغمۂ نائے تارے

بہر کشتِ دہقاں بہشتِ بہارے — زمشتِ غُبارے فلک شرمسارے

گُلستاں گُلستاں خیاباں خیابان — نُمایاں نُمایاں بہارے بہارے

سرِ چشمہ سارے بود چشمِ بارے — خمستاں خمستاں خُمارے خمارے

چنارے زمرّد قبا سایہ دارے — تپاں ہمچو نارست برگِ انارے

سمن یاسمن نسترن جلوہ فرما — بہ باغ نشاطے وہم شالہ مارے

رواں جوئبارے بصد اضطرارے — دواں سوئے یارے یم اندر کنارے

مہِ چاردہ روزہ بر اوجِ بامے — مرا مسکنِ دامنِ کوہسارے

(رشیدا)

(محترم خواجہ محمد امین دراب مرحوم کی نظم میری نظم کے جواب میں دوسرے صفحہ پر درج ہے)

بہ بسم اللہ ای خامہ بکشا زبانے   زبانے زجادو بیانی بیانے

صبا را سپردہ جواب سلامے   روانہ بکن سوئے نامہربانے

(مرحوم حضرت خواجہ داراب)

صبا رو سوی ہارون گن گذارے   زیارے پیامے ببر سوی یارے

کہ اے یار بے مہر و نامہربانے   تغافل مزاجے تساہل شعارے

باین آشنا روئی نا آشنائے   تعلی پسندے فراموش کارے

گرفتم کہ از رقص مسحور ہوشت   کند گاہ یارے دگہ جویبارے

گرفتم کہ از نشہ مسرور سازد   دماغت گہے ابر گہ آبشارے

گرفتم کہ بخشد نشاط و سرورت   نسیمے کہ می آید از شالہ مارے

گرفتم کہ می بخشد انگیز طبعت   چو تسنیم جوئے چو طوبی چنارے

چہ سود از بہارا ست ہمچون شنے را   کہ دارد نہ گلزارے نے گلعذارے

نہ در سینہ خوابے نہ در سینہ تابے   نہ در بر نگارے نہ در سر خمارے

نہ دمساز جز اضطرار است او را   نہ ہمراز غیر از دل بے قرارے

کشد انتظارے نہ از بہر او کس   نہ او میکشد بہر کس انتظارے

نہ شورش بملکِ دلش از خرامے — نہ از فتنہ سامانیِ چشم یارے
نہ بیخواب از ناز نازک میانے — نہ بیتاب از گیسوئے تابدارے
ترا از روانیِ جوئے مسرّت — مرا خود ز طبعِ رواں جویبارے
مرا در تخیّل فضائے ست خرّم — ترا در نظر دامنِ کوہسارے
ترا دامنِ کوہ و بُستاں سرائے — بہارے بہشتی، بہشتی بہارے
مرا خامہ و طبعِ دستاں سرائے — فلک گردش و نسر طائر شکارے
مرا خوش دلِ ناخوش از داغِ حسرت — ترا باد و باغے و زیبا نگارے
مرا داغ داغ ست در سینہ خاطر — منم باغ باغ از دلِ داغدارے
درائے فلک ہست پرواز فکرم — ندارد ملک ہم در آں جا گذارے
دنا علیت روشن درین تیرہ روزی — نہ در کار دستے نہ در دست کارے

زدا راب تا چند پرسی کہ چونی
فنا داست در گوشۂ دلفگارے

○

اگر در چشمِ دوناں من حقیرم
اگر در مُلکِ استغنا امیرم
دهم کے دست اندر دستِ اغیار
چو دستِ دوست باشد دستگیرم

سرودِ نیم‌شب فردوش گوشم
بمضرابِ عقیدت در خروشم
متاعِ درد امروز است نایاب
بیا اینجا که من ارزان فروشم

چو من با چرخِ کج اندر ستیزم
بیا ساقی که خونِ تاک ریزم
فریبِ بود و نبودی را شکستم فاش
خرد با ناخنه ستانه خیزم

تو بس یک عشوه گر چون قحبهٔ پیر
سرِ خنگِ نفس را باشد عنان گیر
دواند چارسو در فسِ دنیا
کند بر خیر و امیر تند و دید

چراغی در حریم افروختم من
ازین آتش سراپا سوختم من
بهر گامی نگه بر شیشه بود
نظر از ماسوا الله دوختم من

بده ای تو اهلِ ناز اندر نیاز
با ادب با هوشِ دل با سوز و ساز
چون نیاز بین نه گنجد در نماز
بخش ما را بسعتِ سوز و گداز

همین زیبد یک مردِ خود آگاه
تلاشِ خود شکن اندر خود خودی خواه
به یزدان هست این نزدیک تر راه
خدا آگاه بر مردِ خود آگاه

"شاہِ جیلاں آں شہِ مالک رقاب
آفتاب است آفتاب است آفتاب"

بر درت شیدای سکیں صبح و شام
منقبت خواں ای شہِ عالیمقام

نارِ مضطر خوار و ابتر بے قرار
در حضورت ایستادہ اشکبار

دستِ من گیر از کرم اے دستگیر
پشتیبانا ہستی از حالم خبیر

ہر چہ دارم دادی از خوانِ کرم
اے شہِ دنیا و دیں ای محتشم

مرشدِ من حضرتِ سلطانِ دین
پیرِ کامل میرِ خیلِ عاشقین

شیخِ ملّت مصدرِ رشد و ہدیٰ
شیخ حمزہ قدس سرہٗ عارفان را مقتدا

بود او با نفسِ خود اندر جہاد
تن پرستی را شکستِ فاش داد

سالہا نہ نہادہ پہلو بر زمین
در غمِ دیں فکرِ دیں تبلیغِ دیں

ہر نفس انوارِ قرآں در نظر
ظلمتِ دل از نگہ گردد سحر

بہرِ آں مسند نشیں عاشقین
کن عطا سوزِ دل و چشمِ یقین

قُرۃ العینِ علے کرم اے مفتخر
بخش مارا وُسعتِ قلب و نظر

شاہِ ہمدان قدس سرہٗ

سیّدِ ہمداں امیرِ اہلِ حال   قبلۂ دل کعبۂ اہلِ کمال

سیّدِ والا نسب عالی جناب   خانقاہش ماہمن ہر شیخ و شاب

ناشرِ پیغامِ ختم المرسلین   مخزنِ اسرارِ حق نورِ مبین

ریشئ ذیشاں جنابِ نور الدین   قطبِ حق از خرمنِ او خوشہ چین

للہ مجذوبہ ہم شد فیضیاب   از نگاہِ سید کیواں جناب

شیخ دیں یعقوب صرفی چاکرش   اکمل الدّیں از غلامانِ درش

ناتواناں را توانائی دہد   چشمِ دل را ذوقِ بینائی دہد

حیدرِ کرّار را ثانی ست او   حامئ دیں شاہ ہمہ دانی ست او

یاد دار ایں پندِ آں روشن ضمیر

آں امیر ابن امیر ابنِ امیر

"بندۂ کز خویشتن دارد خبر | آفریند منفعت را از ضرر
بزم با دیو است آدم را وبال | رزم با دیو است آدم را جمال
تیز تر شو تا فتد ضرب تو سخت | ورنہ باشی در دو عالم تیرہ بخت"

(اقبال)

سید والا تبار ا مرشدا
از تو روشن مشعل رشد و ہدا

ہر غلام درگہ و ہر حق طلب | حلقہ زن بر آستانش روز و شب
ای شہ دنیا و دیں از یک نظر | بخش ما را وسعت قلب و نظر

سُلطانُ الہند

پرچمِ توحید از تو سر بلند   از قدومت شد دو بالا شانِ ہند

پیرِ سنجر خواجۂ ہر دردمند

جانِ جانِ عاشقاں سُلطانِ ہند

بر درِ تو اہلِ ناز اند نیاز   با ادب با ہوشِ دل با سوز و ساز

دور در کشمیر شیدا صُبح و شام

منقبت خواں ای شہِ والا مقام

با ادب با سوزِ دل با چشمِ تر   در حضورت منتظر سوی ہم نگر

از برائے بختِ یار و گنج شکر

دستگیرا کُن بحالم یک نظر

بہر سلطانُ المشائخ مُتّکا   پیرِ کلیر میر خیلِ اصفیا

دست من گیر از کرم ای دلنواز

چارۂ بیچارہ اے چارہ ساز

افسرِ شاہی بہائے خاکِ راہِ نقشبند قدس سرہٗ

افسرِ شاہی بہائے خاکِ راہِ نقشبندؒ
هر چه می خواهی طلب از بارگاهِ نقشبند

خواجۂ غیور بخشد بینوایاں را نوا
دین و دنیا بخششے از نگاهِ نقشبند

گر گدا آید شود سلطانِ عالم از نظر
در پناهِ سایۂ عالم پناه نقشبند

عارفان و عاشقاں را نقشبندِ ذکر و فکر
باعثِ تکمیلِ ایمان حُبِّ شاهِ نقشبند

چشم دارم مرزا شیدا ز چشمِ لطفِ او
توتیاے دیده سازم خاکِ راهِ نقشبندؒ

شیخ العالمؒ

شیخ العالم شیخ نورالدین ولی — "ہر خفی از نورِ جانِ او جلی"

پیر کاملِ میرِ ارشاد و ہُدا — شیخ ملّت ریشیاں را مقتدا

ریشیاں را تاج شمس العارفین — مظہرِ انوارِ ہمداں نورِ دین

در ولایت صاحبِ طبل و علَم — معدنِ جود و سخا لطف و کرم

فیض یاب از خوانِ احمد این گروہ — فیض بار این ریشیانِ پُرشکوہ

دوٗر از خود با خدا نزدیک تر — از ہمہ اسرارِ یزداں با خبر

این گروہِ ریشیانِ سینہ ریش — بے نیاز از امتیازِ غیر و خویش

از برای زین دینؒ و نصر الدینؒ — لطف الدین بابا شکور و بام دینؒ

دل نوازا دیں پناہا سرورا

نورِ پنہاں سوزِ عرفاں دہ مرا

سُلطانُ العارفین

قدس اللہ سرہٗ

مرشدِ من حضرتِ سُلطانِ دین — پیرِ کامل میر خیلِ عاشقین

شیخ حمزہ آں شہِ دنیا و دین — معنوی فرزندِ ختم المرسلین ؐ

یافت او ہمنامیِ غازیٔ دین — آں شہید و غمِ ختم المرسلین ؐ

بود او با نفسِ خود اندر جہاد — تن پرستی را شکستِ فاش داد

سالہا ننہاد پہلو بر زمین — در غمِ دیں فکرِ دیں تبلیغ دین

ایں مشائخ را برائے فتح باب

تا رسول اللہ ؐ وسیلہ بو تراب کرم

خاکِ رہ شو تا شوی افلاکئے — سوز گیر از سوزِ مُلّا خاکئے ؒ

بحرِ علم و فضل آں آگاہ مرد — خویش را با پیرِ مُرشد گر سپرد

خرقۂ پشمیں کُلاہِ پوستیں — بر تنش آراست از فرطِ یقین

در غمِ دیں او سرا پا سوز و درد — فکرِ دنیا سوزِ ما را کرد سرد

باختت عمرِ خویش آں مردِ فقیر — در حضورِ مرشدِ روشن ضمیر

بے نظیر اندر شریعت دانئے

شیخِ ملت بو حنیفہ ثانئے

ای کہ می نازی بہ زہد و علمِ دیں — پے نہ بردی از مقاماتِ یقیں

علمِ دیں آموختن آساں بود — علمِ دل بخشائشِ یزداں بود

ما ہنوز اندر طلسمِ ماو طیں — بیخبر از سوزِ دل چشمِ یقیں

علمِ دل آموز از صاحب دلے — دردمندے سینہ چاکے کاملے

دیدۂ دل را دہد نورِ بصر — فاش بینی ایں جہانِ خیر و شر

علمِ جاں دل را پئے جاناں دہد — دردمندِ عشق را درماں دہد

تن فراموشی فروغِ جاں بود — تا نصیبم پرتوِ جاناں بود

بشنو از من ایں سخن در کلِ حال

فکرِ تن جاندار را باشد وبال

ناقۂ من بے نیازِ منزل است — جانِ جاناں را مقام اندر دل است

جستجو را شوقِ پیرِ کامل است — ایں مقامے از مقاماتِ دل است

خلقتِ آدم کہ معراجِ گل است — گل نہ رویاند اگر بے حاصل است

بے مُرّبی خلوت ہم باشد وبال | با مُربّی خلوت اندر محفل است

گم شدی در ورطۂ وہم و گمان | کے شناسی رمزے از اسرارِ جان

صیقلِ دل صُحبتِ مرداں بود

ہمّتِ مرداں بلا گرداں بود

طور منظر کوه ماران امشب است

مژده ای دل عرش سلطان امشب است — عام فیض خاص رحمن امشب است

هر طرف نور تجلی جلوه بار — طور منظر کوه ماران امشب است

پیر ما مخدوم ما محبوب ما — بر سر اکرام و احسان امشب است

گرد شمع روضه‌ات پروانه وار — ازدحام اهل ایقان امشب است

بر ره جاده نوردان درت — شمع بر کف ماه تابان امشب است

شیئاً لله گو گدای مستمند — بر درت بکشاده دامان امشب است

عقده‌ها جای کشائش این درست — درد را امید درمان امشب است

المدد ای شیخ حمزه قدس سره المدد — شستن از دل داغ حرمان امشب است

لیلة القدر من شیدا است این — جلوه گر محبوب سبحان قدس سره امشب است

بر درت شیدا غلام دا فدار

از عقیدت منقبت خوان امشب است

سنه ۱۹۴۸ء